صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
دسمبر ۲۰۱۳ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اطاعتِ رسول ﷺ کی فرضیت
اور کثرتِ سوال کی ممانعت
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(آٹھواں ایڈیشن) ——— صفحات:360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 460 روپے

حصہ پنجم سُورۃ مریم تا سُورۃ السّجدۃ
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 550 روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا پشاور
18-A ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

جلد : 62

شمارہ : 12

صفر المظفّر 1435ھ

دسمبر 2013ء

فی شمارہ 25/-

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد

مدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 250 روپے
- بھارت وبنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - شیعہ سُنّی مفاہمت کیونکر؟ — ایوب بیگ مرزا
- **بیانُ القُرآن** — 7
  - سورۃ الحجر (آیات ۴۹ تا ۹۹) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **مطالعۂ حدیث** — 23
  - اطاعت رسول ﷺ کی فرضیت اور کثرتِ سوال کی ممانعت — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **حکمتِ دعوت** — 31
  - دعوت وتبلیغ کی حکمت عملی: تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں — عتیق الرحمٰن قریشی
- **ریاست وسیاست** — 41
  - حکومت کی معزولی — مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
- **تذکیر وموعظت** — 59
  - دنیوی زندگی کی حقیقت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- **اسلام اور سائنس** — 64
  - انسان اور قوت تسخیر — سجاد مسعود قریشی
- **دعوتِ فکر** — 75
  - اسلام اور مغرب کا فلسفۂ جنس — راحیل گوہر
- **حقوق وفرائض (۹)** — 81
  - بیوی کے فرائض (شوہر کے حقوق) — بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

شیعہ سُنّی مفاہمت کیونکر؟

شیعہ سُنّی تنازعہ صدیوں پرانا تنازعہ ہے‘ لیکن گزشتہ صدی سے پہلے اس تنازعہ نے کبھی فسادات کی شکل اختیار نہ کی تھی‘ کبھی خونریزی یا قتل و غارت نہیں ہوا تھا اور یہ بات کبھی بحث مباحثے اور مناظرے سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ لیکن ۱۹۰۸ء میں پہلی بار لکھنؤ میں شیعہ سُنّی فساد ہوا‘ جس پر انگریز حکمرانوں نے محرم الحرام میں عزاداروں کے جلوس کے روٹس اور اوقات کا تعین کیا۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق ان روٹس کا تعین بدنیتی کی بنیاد پر کیا گیا تھا جو فسادات کی بنیاد بنتے رہے۔ اہلِ تشیع نے ان روٹس کو عملی طور پر مقدس قرار دے دیا اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی قبول نہیں کرتے۔ اس کے باوجود قیامِ پاکستان کے پندرہ برس بعد ۱۹۶۲ء میں پہلی مرتبہ شیعہ سُنّی فساد ہوئے جو لاہور تک محدود رہے‘ جن میں صرف ایک شخص ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے تھے‘ البتہ بحث مباحثے میں کشیدگی کا عنصر بڑھتا گیا‘ یہاں تک کہ باہم گالم گلوچ کی نوبت بھی آ جاتی تھی۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ اہلِ سنّت کی جانب سے خطباتِ جمعہ میں بعض اوقات غیر ذمہ دارانہ واعظین کوئی اشتعال انگیز بات کہہ دیتے تھے‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محرم الحرام میں منعقد ہونے والی مجالس میں اہل سنت کے اکابرین پر تبرا کرنا اہل تشیع کا معمول بن گیا اور پاکستان کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا اس پر کچھ اس طرح کا ردعمل ہوتا گویا یہ بھی اہل تشیع کی عبادات کا حصہ ہے اور اس میں مداخلت یا انہیں اس سے باز رکھنا ان کے مذہب میں مداخلت کے مترادف ہے‘ جس سے مجالس کے ذاکرین کی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ اس حوالہ سے تمام حدود پھلانگ جاتے ہیں۔ ہماری تمام حکومتوں کا رویہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے جیسے وہ اہل تشیع سے‘ خصوصاً محرم الحرام میں‘ خوف زدہ ہوتی ہیں یا احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے بحیثیت حکومت ان کی ذمہ داری صرف اہل تشیع کی حفاظت ہے‘ وہ کسی دوسرے شہری کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ حکومت خود

اپنے بنائے ہوئے قوانین اور ضوابط کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ لیکن اس حکومتی طرزِ عمل نے اہل تشیع کو الٹا نقصان پہنچایا اور وہ سوادِ اعظم سے کٹ کر رہ گئے۔ سکیورٹی کے انتظام اتنے سخت کر دیے گئے کہ اہل سنت میں سے وہ لوگ جو عقائد کے حوالے سے اہل تشیع سے کسی قدر قریب ہوتے تھے اور عزاداروں کو دیکھنے کے خواہش مند ہوتے تھے اور ان لوگوں کی شرکت سے عزاداروں کو بڑی تقویت حاصل ہوتی تھی‘ سکیورٹی انتظامات کی وجہ سے اہل تشیع اپنے ان مداحوں سے محروم ہو گئے۔

ایران کے انقلاب اور آیت اللہ خمینی کے اس اعلان نے کہ ہم اس انقلاب کو ایکسپورٹ کریں گے‘ پاکستان میں اہل تشیع کو بہت جری کر دیا۔ اس ساری صورت حال کا بالآخر ردّعمل ہوا اور اہل سنت کا ایک حصہ بڑی شدت اور توانائی سے اہل تشیع کے سامنے ڈٹ گیا۔ انہوں نے نہ صرف دفاعی اقدام کیے‘ بلکہ بعض اوقات جارحانہ انداز بھی اختیار کیا اور اہل سنت کے اجتماعی موقف سے آگے بڑھ کر اہل تشیع کی تکفیر کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا اور فریقین کے عسکری ونگز کے درمیان مسلح جھڑپوں اور ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا‘ لیکن یہ سب کچھ محدود گروپس کے درمیان رہا اور کبھی عوامی سطح پر شیعہ سنی منافرت اور جھگڑے یا فساد کی صورت نہ بنی۔

نائن الیون کے بعد جب صدر پرویز مشرف اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے چکر میں پرائی جنگ کو اپنے گھر میں گھسیٹ لائے تو امریکہ نے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے اور پاکستانی عوام میں پھوٹ ڈالنے کے لیے جو حربے اختیار کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ شیعہ سنی کا باہم تصادم کرایا جائے۔ اس نقطہ نظر سے امریکہ نے بڑی سطح پر سرمایہ کاری بھی کی اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعے دونوں طرف یعنی کبھی مساجد میں اور کبھی امام بارگاہوں میں دہشت گردی کی وارداتیں بھی کیں۔ درحقیقت شیعہ سنی تصادم کروانا امریکہ کے گلوبل ایجنڈے کا حصہ ہے۔ چنانچہ سعودی عرب اور ایران کے درمیان کشیدگی کو ہوا دی گئی۔ ایران عراق جنگ میں عراق سے دشمنی کے باوجود اسے اسلحہ سپلائی کیا گیا۔ عراق میں شیعہ سنی تصادم کروایا گیا۔ اسی پالیسی کے تحت امریکہ پاکستان میں بھی شیعہ سنی تصادم کا خواہش مند ہے۔ پاکستان میں اہل سنت کے مستند اور جید علماء اور اہل تشیع کی صف اول کی قیادت اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے نسبتاً ذمہ داری کا مظاہرہ کرتی ہے‘ لیکن عام واعظین اور ذاکرین اس سازش کا شکار ہو گئے ہیں جو فساد کا باعث بنتے ہیں۔

(باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْحِجْر

آیات ۴۹ تا ۸۴

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ
الْاَلِيْمُ ۝ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ
قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ قَالَ
اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ
فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا
الضَّاۗلُّوْنَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ۝ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۣ قَدَّرْنَآ ۙ
اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ
وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا
يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ
اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝
قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَ
لَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝
فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ
وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ
اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

آیت ۴۹ ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۴۹﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں یقیناً بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہوں۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝۵۰﴾ ’’اور یہ کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔‘‘

یقیناً میں غفور اور رحیم ہوں‘ مگر دوسری طرف میرا عذاب بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص نڈر اور نچنت بھی نہ ہو جائے‘ بلکہ میرے بندوں کو ہر وقت ’’بین الخوف والرجا‘‘ کی کیفیت میں رہنا چاہیے۔ وہ میری رحمت اور مغفرت کی امید بھی رکھیں اور میرے عذاب سے ڈرتے بھی رہیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝۵۱﴾ ’’اور انہیں ذرا بتایئے ابراہیمؑ کے مہمانوں کے بارے میں۔‘‘

یہ واقعہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہم سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝۵۲﴾ ’’جب وہ داخل ہوئے آپؑ کے ہاں تو انہوں نے سلام کیا‘ آپؑ نے کہا کہ ہمیں تو تم سے خوف آ رہا ہے۔‘‘

آپ کے اجنبی ہونے کی وجہ سے ہمیں آپ سے خدشہ ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا اگر آپ لوگ

اپنی شناخت کروادیں۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝۵۳﴾ ''انہوں نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم آپؑ کو ایک صاحب علم بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔''

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت اس سے چند برس قبل ہو چکی تھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ''غلام حلیم'' اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے ''غلام علیم'' کے الفاظ آتے ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝۵۴﴾ ''آپؑ نے کہا کہ کیا تم مجھے خوشخبری دے رہے ہو باوجود اس کے کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے، تو تم مجھے یہ کیسی خوشخبری دے رہے ہو!''

عَلٰی یہاں پر ''علی الرغم'' کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ میرے بڑھاپے کے باوجود تم مجھے جو بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو تو کہیں تم لوگوں کو کوئی مغالطہ تو نہیں ہو رہا؟

آیت ۵۵ ﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝۵۵﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم آپؑ کو حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں، تو آپؑ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں۔''

انہوں نے بتایا کہ ہم آپ کے ربّ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور یہ جو بشارت ہم نے آپؑ کو دی ہے یہ حقیقی اور قطعی بات ہے، بالکل ایسا ہی ہوگا۔

آیت ۵۶ ﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝۵۶﴾ ''آپؑ نے کہا کہ کون ہوگا جو اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو، سوائے گمراہوں کے!''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ستاسی (۸۷) برس کی عمر میں بیٹا عطا کیا۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ساری عمر بانجھ رہیں، مگر جب وہ دونوں میاں بیوی بہت بوڑھے ہو چکے تھے تو اللہ نے انہیں بیٹا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) عطا کیا۔

آیت ۵۷ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۷﴾ ''آپؑ نے پوچھا: اے فرستادو! تمہاری کیا مہم ہے؟''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ آپ لوگوں کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ آپ کو کیا مہم درپیش ہے؟

آیت ۵۸ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۵۸﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمیں بھیجا گیا ہے ایک مجرم قوم کی طرف۔''

آیت ۵۹ ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۹﴾ ''سوائے آلِ لوطؑ کے، ان سب کو ہم ضرور بچالیں گے۔''

آیت ۶۰ ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۙ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۶۰﴾ ''سوائے اُن کی بیوی کے، ہم نے اندازہ ٹھہرالیا ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔''

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۶۱﴾ ''تو جب لوطؑ کے گھر پہنچے وہ بھیجے ہوئے۔''

آیت ۶۲ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۶۲﴾ ''اُس (لوطؑ) نے کہا کہ یقیناً تم اجنبی لوگ ہو۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بالکل اجنبی لوگ ہیں، تو انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں، اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

آیت ۶۳ ﴿قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۶۳﴾ ''انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو آپؑ کے پاس وہ شے لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے۔''

حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کو متنبہ کرتے تھے کہ اگر تم لوگ شرک سے اور اس فعل خبیث سے باز نہیں آؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا، تو وہ آپؑ کا مذاق اڑاتے تھے، کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ ان پر واقعی عذاب آجائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ آج ہم وہی عذاب لے کر آگئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں تھے۔

آیت ۶۴ ﴿وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۶۴﴾ ''اور ہم آئے ہیں آپؑ کے پاس حق (قطعی فیصلے) کے ساتھ اور یقیناً ہم سچے ہیں۔''

آیت ۶۵ ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ ''تو آپؑ اپنے گھر والوں کو لے جایئے رات کے ایک حصے میں، اور آپؑ ان کے پیچھے

پیچھے جایئے' اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے''

یعنی آپ لوگ صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اب دوستی اور ہمدردی جیسے جذبات کا اظہار کسی بھی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔

﴿وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۵﴾ ''اور آپؑ چلے جایئے جہاں آپؑ کو حکم ہوا ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝۶۶﴾ ''اور ہم نے لوطؑ کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔''

وہاں سے نکلنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو بتا دیا گیا کہ اس پوری قوم کو تہس نہس کر دیا جائے گا اور یہاں کوئی ایک متنفس بھی نہیں بچے گا۔

آیت ۶۷ ﴿وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۶۷﴾ ''اور آئے اہلِ شہر خوشیاں مناتے ہوئے۔''

حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر بدقماش قسم کے لوگوں نے خوشی خوشی آپؑ کے گھر پر یلغار کر دی۔

آیت ۶۸ ﴿قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝۶۸﴾ ''لوطؑ نے کہا: یہ میرے مہمان ہیں' چنانچہ تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو۔''

آیت ۶۹ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝۶۹﴾ ''اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو مت کرو۔''

آیت ۷۰ ﴿قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۰﴾ ''انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپؑ کو سب دنیا والوں (کی حمایت میں کھڑے ہونے) سے منع نہیں کیا تھا؟''

کیا ہم آپ کو منع نہیں کر چکے کہ آپ ہر کسی کی طرف داری کرتے ہوئے ہمارے معاملے میں دخل اندازی نہ کیا کریں۔ ہم جس کے ساتھ جو چاہیں کریں' آپ بیچ میں آنے والے کون ہوتے ہیں؟

آیت ۷۱ ﴿قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۷۱﴾ ''آپؑ نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔''

قبل ازیں اس فقرے کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یعنی میری قوم کی بیٹیاں جو تمہارے

گھروں میں موجود ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے لیے فطری ساتھی بنایا ہے۔ اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؑ نے اتمام حجت کے لیے ان میں سے دو سرداروں کو یہاں تک کہہ دیا ہو کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کیے دیتا ہوں۔

آیت ۷۲ ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۲﴾ ''قسم ہے آپؐ کی جان کی' وہ لوگ اپنی اس بدمستی میں بالکل اندھے ہو گئے تھے۔''

عمہ کے مادہ میں دل کے اندھے پن کا مفہوم پایا جاتا ہے' یعنی ان لوگوں کے دل بھلائی اور برائی کی تمیز سے بالکل عاری ہو گئے تھے۔

آیت ۷۳ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝۷۳﴾ ''تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے اجالا ہونے کے وقت۔''

یعنی پو پھٹتے ہی ان پر اللہ کے عذاب کا کوڑا ایک زبردست چنگھاڑ کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔

آیت ۷۴ ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۷۴﴾ ''پھر ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو بنا دیا اس کے نچلے والا' اور ہم نے برسائے ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے کنکر۔''

یعنی ان آبادیوں کو پوری طرح تلپٹ کر دیا گیا اور ان پر سنگِ گل کی بارش برسائی گئی۔

آیت ۷۵ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝۷۵﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔''

''متوسّمین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقیہ' آیاتِ تاریخیہ' آیاتِ انفسیہ یا آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے حقیقت کو جاننا اور پہچاننا چاہیں۔ اسم (اصل مادہ ''س م و'' ہے' الف اس کے حروف اصلیہ میں سے نہیں ہے) کے معنی علامت کے ہیں۔ اردو میں لفظ ''اسم'' کو نام کے مترادف کے طور پر جانا جاتا ہے' اس لیے کہ کسی چیز یا شخص کا نام بھی ایک علامت کا کام دیتا ہے' جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ لہٰذا جو اصحابِ بصیرت علامتوں سے متوسّم (باب تفعّل) ہوتے ہیں' ان کے لیے ایسے واقعات میں سامانِ عبرت موجود ہے۔

آیت ۷۶ ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝۷۶﴾ ''اور یہ بستیاں ایک سیدھی راہ پر واقع تھیں۔''

قومِ لوطؑ کی یہ بستیاں اس شاہراہ عام پر واقع تھیں جو یمن (بحیرۂ عرب) اور شام (بحیرۂ روم) کے ساحلوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ مشرقی ممالک (ہندوستان، چین، جاوا، ملایا وغیرہ) سے یورپ جانے کے لیے جو سامان آتا تھا وہ یمن کے ساحل پر اتارا جاتا تھا اور پھر اس راستے سے تجارتی قافلے اسے شام اور فلسطین کے ساحل پر پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح یورپ سے مشرقی ممالک کے لیے آنے والا سامان شام کے ساحل پر اترتا تھا اور یہی قافلے اسے یمن کے ساحل پر پہنچانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ اُس وقت نہر سویز بھی نہیں بنی تھی اور ''راس امید'' والا راستہ (Around the Cape of Good Hope) بھی دریافت نہیں ہوا تھا، جو واسکوڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں تلاش کیا۔ چنانچہ یہ شاہراہ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی رابطے کا واحد ذریعہ تھی۔

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۝۷۷﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔''

آیت ۷۸ ﴿وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ۝۷۸﴾ ''اور بے شک بن والے بھی ظالم تھے۔''

''اصحاب الایکہ'' سے اہل مدین مراد ہیں۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی مگر یہاں اس قوم کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ کا نام نہیں لایا گیا۔ ان سب اقوام کا تذکرہ یہاں پر انباء الرسل کے انداز میں ہو رہا ہے۔

آیت ۷۹ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ۝۷۹﴾ ''تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا۔ اور یہ دونوں بستیاں بھی کھلے راستے پر واقع تھیں۔''

اس سے مراد وہی تجارتی شاہراہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔ یہ اصحابِ حجر کے مساکن سے بھی ہو کر گزرتی تھی جبکہ اہل مدین کی آبادیاں اور قومِ لوطؑ کی بستیاں بھی اسی شاہراہ پر واقع تھیں۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ۝۸۰﴾ ''اور (اسی طرح) حجر والوں نے بھی مرسلین کو جھٹلایا۔''

اصحاب الحجر سے مراد قومِ ثمود ہے۔ قومِ ثمود حجر کے علاقے میں آباد تھی اور ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے۔ جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی قومِ عاد کا ذکر ''احقاف'' کے

حوالے سے بھی ہوا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف) جو اس قوم کا علاقہ تھا، اسی طرح قومِ ثمود کا ذکر یہاں ''اصحاب الحجر'' کے نام سے ہوا ہے۔ یہاں پر ''مرسلین'' کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں پہلے بہت سے انبیاء آئے اور پھر آخر میں رسول کی حیثیت سے حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے۔

آیت ۸۱ ﴿وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ۝۸۱﴾ ''اور انہیں ہم نے اپنی آیات عطا کیں لیکن وہ ان سے اعراض ہی کرتے رہے۔''

قومِ ثمود کو بطور خاص اونٹنی کی صورت میں حسی معجزہ دکھایا گیا تھا کہ ایک چٹان شق ہوئی اور اس کے اندر سے ایک خوبصورت گابھن اونٹنی برآمد ہو گئی۔

آیت ۸۲ ﴿وَكَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ۝۸۲﴾ ''اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے، امن وسکون کے ساتھ۔''

قومِ ثمود کے یہ گھر آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کو دعوتِ عبرت دے رہے ہیں۔ میں نے خود بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ۝۸۳﴾ ''تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے صبح کے وقت۔''

آیت ۸۴ ﴿فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝۸۴﴾ ''تو کچھ کام نہ آ سکا اُن کے جو وہ کماتے تھے۔''

وہ خوشحال قوم تھی مگر انہوں نے جو مال واسباب جمع کر رکھا تھا وہ انہیں عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہو سکا۔

اس سورۂ مبارکہ میں اب تک تین رسولوں کا ذکر ''انباء الرسل'' کے انداز میں ہوا ہے۔ ان میں سے حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہما السلام کا نام لیے بغیر ان کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے، جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں بھی قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح سورۂ ہود میں آیا تھا۔

اس سورۃ کی آخری پندرہ آیات دعوتِ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔

آیات ۸۵ تا ۹۹

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ
لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا
مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾
الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾
وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ
مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

آیت ۸۵ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ﴾ ’’اور ہم نے نہیں تخلیق کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔‘‘

یہ کائنات ایک بامقصد تخلیق ہے‘ کوئی کھیل تماشا نہیں۔ ہندو مائتھالوجی کی طرز پر یہ کوئی رام کی لیلا نہیں ہے کہ رام جی جس کو چاہیں راجہ بنا کر تخت پر بٹھا دیں اور جسے چاہیں تخت سے نیچے پٹخ دیں‘ بلکہ یہ کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تخلیق بامعنی اور بامقصد ہے۔ اس حقیقت کو سورۂ آل عمران میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ’’اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی‘ تیری ذات اس سے بہت اعلیٰ اور پاک ہے‘ لہٰذا ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔‘‘

﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ ’’اور یقیناً قیامت آ کر رہے گی‘‘

چونکہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز حق کے ساتھ تخلیق کی گئی ہے‘ لہٰذا اس حق کا منطقی تقاضا ہے کہ ایک یومِ حساب آئے‘ لہٰذا قیامت آ کر رہے گی۔ اس کائنات کا بغور جائزہ لینے

سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اس کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو منطقی سوال اٹھتا ہے کہ پھر انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور انسان کے اندر جو اخلاقی حس پیدا کی گئی ہے‘ اسے پیدائشی طور پر نیکی اور بدی کی جو تمیز دی گئی ہے یہاں دنیا میں اس سے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں؟ اس دنیا میں تو اخلاقیات کے اصولوں کے برعکس نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہاں چور ڈاکو اور لٹیرے عیش کرتے نظر آتے ہیں اور نیک سیرت لوگ فاقے کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا اس صورتِ حال کا منطقی تقاضا ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہو جس میں ہر شخص کا پورا پورا حساب ہو اور ہر شخص کو ایسا صلہ اور بدلہ ملے جو اس کے اعمال کے عین مطابق ہو۔

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کریں۔‘‘

یہ مجرم لوگ ہماری پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ قیامت آئے گی اور یہ لوگ ضرور کیفر کردار کو پہنچیں گے‘ مگر ابھی ہم انہیں ڈھیل دینا چاہتے ہیں‘ مزید کچھ دیر کے لیے مہلت دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ فی الحال ان کی دل آزار باتیں برداشت کریں‘ ان کی معاندانہ سرگرمیوں کے جواب میں صبر کریں اور احسن انداز میں اس سب کچھ کو نظر انداز کر دیں۔ اس رویے اور ایسے طرزِ عمل سے آپ ﷺ کے درجات بلند ہوں گے۔

آیت ۸۶ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾﴾ ’’یقیناً آپ کا رب پیدا کرنے والا‘ خوب جاننے والا ہے۔‘‘

وہ جو پیدا کرنے والا ہے‘ اپنی مخلوق کو خوب جانتا بھی ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾﴾ ’’کیا اُسی کے علم میں نہیں ہوگا جس نے پیدا کیا؟ بلکہ وہ تو نہایت باریک بین باخبر ہے‘‘۔ کسی مشین کو بنانے والا اس کے تمام کُل پرزوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’اور ہم نے آپ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔‘‘

اس پر تقریباً تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں سات بار بار دہرائے جانے والی آیات سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ حدیث میں سورۃ الفاتحہ کو نماز کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے: ((لَا

صَلَاۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ)) (متفق علیہ) یعنی جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں۔ قبل ازیں سورۃ الفاتحہ کے مطالعے کے دوران ہم وہ حدیث قدسی بھی پڑھ چکے ہیں جس میں سورۃ الفاتحہ ہی کو نماز قرار دیا گیا ہے: ((قَسَمْتُ الصَّلَاۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ.....)) (رواہ مسلم) اب جبکہ ہر نمازی اپنی نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو اندازہ کریں کہ دنیا بھر میں ان سات آیات کی تلاوت کتنی مرتبہ ہوتی ہوگی۔ اس کے علاوہ آیت زیر نظر میں اس سورۃ کو ''قرآن عظیم'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یعنی اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے سورۃ الفاتحہ قرآن عظیم کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سورت کو اساس القرآن اور اُم القرآن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے الکافیہ (کفایت کرنے والی) اور الشافیہ (شفا دینے والی) جیسے نام بھی دیے گئے ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق سورۃ الفاتحہ جیسی کوئی سورت نہ تورات میں ہے' نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ دیکھیں ہم نے آپؐ کو اتنا بڑا خزانہ عطا فرمایا ہے۔ ابوجہل اگر خود کو مالدار سمجھتا ہے' ولید بن مغیرہ اپنے زعم میں اگر بہت بڑا سردار ہے تو آپ (ﷺ) مطلق پروا نہ کریں۔ ان لوگوں کی سوچ کے اپنے پیمانے ہیں۔ ان بدبختوں کو کیا معلوم کہ ہم نے آپؐ کو کتنی بڑی دولت سے نوازا ہے!

آیت ۸۸ ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ''آپؐ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس مال و متاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے''

ابوجہل کی دولت و شوکت' ولید بن مغیرہ کے باغات اور ان جیسے دوسرے کافروں کی جاگیریں آپؐ کو ہرگز متاثر نہ کریں۔ آپؐ ان کی ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دنیا و مافیہا کی حیثیت اللہ کی نگاہ میں مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی تک نہ دیتا۔ چنانچہ ان کفار کو جو مال و متاع اس دنیا میں دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے کہ وہ بھی مال و دولتِ دنیا کو اسی نظر سے دیکھیں۔

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ ''اور آپؐ ان کی حالت پر غم نہ کریں''

یہ لوگ آپؐ کی دعوت کو ٹھکرا کر عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں۔ ان میں آپؐ کے قبیلے کے افراد بھی شامل ہیں اور ابولہب جیسے عزیز و اقارب بھی' مگر آپؐ اب ان لوگوں کے انجام

کے بارے میں بالکل پریشان نہ ہوں۔

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ''اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں۔''

اہل ایمان کے ساتھ آپ (ﷺ) شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں۔ اِن لوگوں میں فقراء و مساکین بھی ہیں اور غلام بھی۔ یہ لوگ جب آپؐ کے پاس حاضر ہوں تو کمال تواضع سے ان کا استقبال کیجیے اور ان کی دلجوئی فرمائیے۔ اس سے قبل یہی بات اس انداز میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۵۴)۔ سورۃ الشعراء میں بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کہ اہل ایمان جو آپ (ﷺ) کی پیروی کر رہے ہیں' آپ اپنے کندھے ان کے لیے جھکا کر رکھیے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں والدین کے ادب و احترام کے سلسلے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ ادب' محبت' عاجزی اور انکساری کا معاملہ کرے۔

آیت ۸۹ ﴿وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔''

میری اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو واضح طور پر خبردار کر دوں۔

آیت ۹۰ ﴿كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ﴾ ''جیسے کہ ہم نے نازل کیا ان تقسیم کرنے والوں پر۔''

آیت ۹۱ ﴿الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ﴾ ''جنہوں نے (اپنے) قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔''

اس آیت کے مفہوم کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔ اس ضمن میں زیادہ قرین قیاس رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ ''قرآن'' کا اطلاق تورات پر ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ سبا کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ یعنی کفار کہتے ہیں کہ نہ اس قرآن پر ایمان لاؤ اور نہ اس پر جو اس سے پہلے تھا۔ تو گویا تورات بھی قرآن ہی تھا اور یہود نے اپنے مفادات کے لیے اپنے اس قرآن کو ٹکڑے

ٹکڑے کر دیا تھا۔ ان کے اس کارنامے کا تذکرہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ﴾ ''تم نے اس (تورات) کو ورق ورق کر دیا ہے' ان میں سے کسی حصے کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔''

آیت ۹۲ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''تو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے۔''

اس آیت کا مضمون اور انداز وہی ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾﴾ ''ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف رسولوںؑ کو بھیجا گیا اور ان سے بھی جن کو رسولؑ بنا کر بھیجا گیا''۔ چنانچہ اے نبی (ﷺ) یہ تھوڑے وقت کی بات ہے' ہم ان سے ایک ایک چیز کا حساب لے کر رہیں گے۔

آیت ۹۳ ﴿عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾﴾ ''اب آپؐ علی الاعلان بیان کریں جس کا آپؐ کو حکم دیا جا رہا ہے اور ان مشرکوں کی ذرا پروا نہ کریں۔''

اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کی دعوتی تحریک میں ایک نئے موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے قبل آپ ﷺ اپنے قریبی ساتھیوں اور رشتہ داروں کو انفرادی طور پر دعوت دے رہے تھے' جیسے آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ ؓ سے بات کی' اپنے پرانے دوست حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو دعوت دی' اپنے چچازاد بھائی حضرت علی ؓ کو اعتماد میں لیا جو آپؐ کے زیر کفالت بھی تھے اور اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید ؓ سے بھی بات کی۔ آپ ﷺ کی اس انفرادی دعوت کا سلسلہ ابتدائی طور پر تقریباً تین سال پر محیط نظر آتا ہے۔ بعض لوگ اس دور کی دعوت کو ایک خفیہ (underground) تحریک سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی سیرت میں کوئی دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں آپ ﷺ نے اپنی اس دعوت کو خفیہ رکھا ہو' مگر ایسا ضرور ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت فطری اور تدریجی انداز میں آگے بڑھی اور آہستہ آہستہ ارتقا پذیر ہوئی۔

اس دعوت کا آغاز گھر سے ہوا' پھر آپ ﷺ تعلق اور قرابت داری کی بنیاد پر مختلف افراد کو انفرادی انداز میں دعوت دیتے رہے اور پھر تقریباً تین سال کے بعد آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ

اب آپ ﷺ علی الاعلان یہ دعوت دینا شروع کر دیں۔ اس حکم کے بعد آپ ﷺ نے ایک دن عرب کے رواج کے مطابق کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو اونچی آواز سے اپنی طرف بلانا شروع کیا۔ عرب میں رواج تھا کہ کسی اہم خبر کا اعلان کرنا ہوتا تو ایک آدمی اپنا پورا لباس اتارتا' بالکل ننگا ہو کر کسی اونچی جگہ پر چڑھ جاتا اور ''وَاصَبَاحَا'' کا نعرہ لگاتا' کہ ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے! یعنی میں تم لوگوں کو آنے والی صبح کی خبر دینے والا ہوں! اس زمانے میں ایسی خبر عام طور پر کسی مخالف قبیلہ کے شب خون مارنے کے بارے میں ہوتی تھی کہ فلاں قبیلہ آج صبح سویرے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو ''نذیرِ عریاں'' کہا جاتا تھا۔ اس رواج کے مطابق (لباس اتارنے کی بیہودہ رسم کو چھوڑ کر) آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر ''وَاصَبَاحَا'' کا نعرہ لگایا۔ جس جس نے آپ ﷺ کی آواز سنی وہ بھاگم بھاگ آپ ﷺ کے پاس آ پہنچا کہ آپ ﷺ کوئی اہم خبر دینے والے ہیں۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا' جس کے جواب میں آپؐ کے بدبخت چچا ابولہب نے کہا: تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ ☆ ''تمہارے لیے ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) اس کام کے لیے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟'' دعوت کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرنے کے اس حکم اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

آیت ۹۵ ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾﴾ ''ہم آپؐ کی طرف سے کافی ہیں ان استہزا کرنے والوں (سے نمٹنے) کے لیے۔''

آپؐ ان کی مخالفت کی پروا نہ کریں' ہم ان سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔ یہ لوگ آپؐ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔

آیت ۹۶ ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود گھڑے بیٹھے ہیں۔ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

ایسے لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور وہ کن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

☆ ابولہب کے اس قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورۃ ''اللّھب'' نازل فرمائی۔ جس کی پہلی آیت میں ہی فرمایا: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾﴾ ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔'' (مرتب)

آیت ۹۷ ﴿وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ یَضِیۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ ''اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے۔''

علی الاعلان دعوت کی وجہ سے مخالفت کا ایک طوفان آپؐ پر امڈ آیا تھا۔ پہلے مرحلے میں یہ مخالفت اگرچہ زبانی طعن و تشنیع اور بدگوئی تک محدود تھی مگر بہت تکلیف دہ تھی۔ کسی نے مجنون اور کاہن کہہ دیا' کسی نے شاعر کا خطاب دے دیا۔ کوئی دور کی کوڑی لایا کہ آپؐ نے گھر میں ایک عجمی غلام چھپا رکھا ہے' اس سے معلومات لے کر ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو واقعی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ پر آسیب وغیرہ کے اثرات ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگ ازراہِ ہمدردی ایسی باتوں کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ نے اسی طرح آپ ﷺ سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ وہ قبیلے کا معمر بزرگ تھا۔ اس نے کہا: اے میرے بھتیجے' بڑے بڑے عاملوں اور کاہنوں سے میرے تعلقات ہیں' آپ (ﷺ) کہیں تو میں ان میں سے کسی کو بلا لاؤں اور آپؐ کا علاج کراؤں؟ ان سب باتوں سے آپؐ کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور آپؐ کی اسی تکلیف اور دل کی گھٹن کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ ان لوگوں کی بیہودہ باتوں سے آپؐ کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۳۳ میں بھی گزر چکا ہے۔

آیت ۹۸ ﴿فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾﴾ ''پس آپؐ تسبیح کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جایئے۔''

آپؐ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں۔ اسی کے آگے جھکے رہیں اور اس طرح اپنے تعلق مع اللہ کو مزید مضبوط کریں۔ اللہ سے اپنے اس قلبی اور ذہنی رشتے کو جتنا مضبوط کریں گے اسی قدر آپ ﷺ کے دل کو سکون و اطمینان ملے گا اور صبر و استقامت کے رستے پر چلنا اور ان سختیوں کو جھیلنا آپؐ کے لیے آسان ہو گا۔

آیت ۹۹ ﴿وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰی یَاۡتِیَكَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیں یہاں تک کہ یقینی شے وقوع پذیر ہو جائے۔''

عام طور پر یہاں ''یقین'' سے موت مراد لی گئی ہے۔ یعنی اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اس کی بندگی میں لگے رہیے اور اس سلسلے میں لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہ کیجیے:

تا دمِ آخر دمے فارغ مباش
اندریں رہ مے تراش و مے خراش!

بعض لوگ یہاں ''یقین'' سے اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی مراد لیتے ہیں کہ کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ جائے' اُس کی مدد اہلِ حق کے شامل حال ہو جائے اور انہیں کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے۔

بارك اللّٰه لی ولکم فی القرآن العظیم ' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم

(تمّت سُورۃُ الحِجْر)

بقیہ: اسلام اور مغرب کا فلسفۂ جنس

دنیا میں ہوں' دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں' خریدار نہیں ہوں!

اُمتِ مسلمہ کی اصل غرض و غایت ایک ایسے خاندانی نظام کی تشکیل اور پائیداری ہے جو اسلام کی تعلیمات کی عکاسی کرتا ہو۔ چنانچہ اس الہامی اور نظریاتی دین میں نکاح کا انعقاد محض شہوت کی تسکین کا ذریعہ نہیں۔ اگرچہ جنسی عمل اور فطرت کے حقیقی تقاضوں کی جائز تسکین اس عمل کا ایک حصہ ہے' لیکن اس کا بڑا اور تعمیری مقصد خاندان کی صورت میں مضبوط بنیادوں پر استوار ایک شفاف معاشرے کا قیام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جائز اور حلال طریقے سے شہوت کی تسکین کو اجر و ثواب کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اسلام ہی ایک ایسی اعلیٰ اور ارفع تہذیب کا علمبردار ہے جس میں نہ صرف روحانی بلکہ انسان کے جسمانی اور مادی تقاضوں کی تسکین اور آسودگی کے جائز اور پاکیزہ طریقے قرآن و سنت کی تعلیمات کے ذریعے سے واضح طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔ اب یہ انسان کے فکری میلانات پر منحصر ہے کہ وہ کس طریقے کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مغرب کے رنگ میں رنگ کر خود کو حیوانی سطح (self-abasement) پر گرا دیتا ہے یا اسلام کے فطری تقاضوں اور اخلاقی قدروں کو اپناتے ہوئے خود کو ایک ایسا انسان ثابت کرتا ہے جو قرآن کا مطلوب انسان ہے۔

اطاعتِ رسول کی فرضیت
اور کثرتِ سوال کی ممانعت

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے ۱۶/ نومبر ۲۰۰۷ء کے خطبہ جمعہ کا بقیہ حصہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر:۷)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ :

((مَا نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ فَاجْتَنِبُوْہُ ، وَمَا اَمَرْتُکُمْ بِہٖ فَافْعَلُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، فَاِنَّمَا اَھْلَکَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کَثْرَۃُ مَسَائِلِھِمْ وَاخْتِلَافُھُمْ عَلٰی اَنْبِیَائِھِمْ))[1]

سیدنا ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''میں تمہیں جس کام سے منع کروں اس سے باز رہو اور جس کام کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجا لاؤ —— تم سے پہلے لوگوں کو ان کے کثرتِ سوالات اور انبیاء سے حجت بازی نے ہلاک کر ڈالا تھا۔''

معزز سامعین کرام!

یہ امام یحییٰ بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق مجموعہ احادیث ''اربعین نووی'' کی حدیث ۹ ہے۔ اس حدیث میں مذکور مضمون اس سے پہلے حدیث ۴ میں بھی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ وترک اکثار سؤالہ..... واللفظ لہ۔

ہم پڑھ چکے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ ، وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ ، وَبَیْنَھُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ))** ''حلال بالکل واضح ہے اور حرام بھی بالکل واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کے (شرعی حکم) کے بارے میں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی'' —— یعنی حلال و حرام کے علاوہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں انسان شک میں پڑ جاتا ہے کہ پتا نہیں یہ شے حلال ہے یا نہیں —— ان مشتبہ چیزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ ، وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُھَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ))** ''پس جو شخص اس قسم کی غیر واضح اشیاء سے بچ گیا اُس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شخص اس قسم کے مشتبہ امور کو اختیار کرنے لگے تو وہ حرام میں جا پڑے گا'' —— اس حدیث کے ضمن میں، میں عرض کر چکا ہوں کہ جس شے کو کتاب و سنت کے دلائل اور نصوص سے حرام ثابت نہ کیا جا سکے، وہ قانوناً حلال ہے۔ اصول یہ نہیں ہے کہ جس شے کو حلال ثابت نہ کیا جا سکے وہ حرام ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حلال کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا۔ لہٰذا جو چیز از روئے قرآن و سنت حرام ثابت نہیں ہوتی تو وہ قانوناً حلال اور جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کا شرعی حکم واضح نہیں ہے تو اس کے بارے میں تقویٰ کا پہلو یہ ہے کہ اپنے دین کو بچانے کے لیے ان مشتبہات سے بھی بچا جائے۔

زیر مطالعہ حدیث میں یہی بات بیان کی جا رہی ہے۔ اس روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں —— یہاں ان کی کنیت کے ساتھ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر بھی مذکور ہے —— وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **((مَا نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ فَاجْتَنِبُوْہُ))** ''جس کام سے میں نے تمہیں روک دیا ہے اس سے بچو'' **((وَمَا اَمَرْتُکُمْ بِہٖ فَافْعَلُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))** ''اور جس کام کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اپنے مقدور بھر اس پر عمل کرو'' —— بعینہٖ یہ مضمون سورۃ الحشر کی آیت ۷ میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ ''اور جو چیز تم کو پیغمبرؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو'' —— آگے حضور

اکرم ﷺ نے اوامر و نواہی کے سلسلے میں مین میخ نکالنے اور بال کی کھال اتارنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ((فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ)) ''(یہ یاد رکھو کہ) تم سے پہلی قوموں کو اس چیز نے ہلاک کیا کہ وہ بہت سوال کرتے تھے اور اپنے انبیاء سے حجت بازی کرتے تھے۔''

یہاں دو چیزوں سے روکا گیا ہے: (۱) کثرتِ سوال' اور (۲) انبیاء سے حجت بازی۔ کثرتِ سوال کے حوالے سے اقوامِ سابقہ کا معاملہ یہ تھا کہ ان کے نبیؑ جب بھی کوئی حکم دیتے تو وہ کہتے: حضرت! اگر اس طرح ہو جائے تو کیا ہوگا اور اگر یوں ہو جائے گا تو پھر کیا ہوگا؟ اس طرح کے بے تکے سوالات سے روکا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول نے بات کھلی چھوڑی ہے اور تمہیں ایک آزادی دے رکھی ہے تو تم یوں سوالات کر کے لوگوں کے لیے دین کا دائرہ تنگ کرا لو گے۔ جیسا کہ ایک بڑی مشہور حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ((يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا)) ''اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے' پس تم حج کرو''۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ ہر سال فرض ہے؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو تیسری بار آپؐ نے فرمایا: ((لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ))(۱) ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو پھر حج ہر سال فرض ہو جاتا خواہ تم اس کی طاقت نہ رکھتے''۔ بعض روایات میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب اس شخص نے سوال کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ادھر سے رخ پھیر لیا۔ وہ گھوم کر اُدھر آ گیا اور پھر وہی سوال دہرایا۔ حضور ﷺ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے' لیکن جب اس نے تیسری مرتبہ وہی سوال دہرایا تو آپؐ نے اسے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو یہ تم پر ہر سال فرض ہو جائے گا اور تم اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ لہٰذا تم اس طرح کے سوالات کر کے شریعت کا دائرہ تنگ کیوں کر دینا چاہتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وسیع رکھا ہے۔ چنانچہ پوری

(۱) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب فرض الحج مرة فی العمر۔

زندگی میں شرعاً ایک ہی مرتبہ حج فرض ہے اور اگر کسی کے لیے ہر سال حج کرنا ممکن ہو تو وہ ہر سال حج کرے۔

اصل میں کچھ لوگوں کا ذوق اور مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ تکلف اور تقشّف کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے اس کے لیے ''تقویٰ کا ہیضہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جو شے کھلی حرام ہے اس سے بچو اور جو مشتبہ چیزیں ہیں ان کے بارے میں اپنے دل سے پوچھ کر فیصلہ کرو۔ جیسے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ((اِسْتَفْتِ نَفْسَكَ' اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ)) ''تم اپنے نفس سے پوچھو' تم اپنے دل سے پوچھو!'' اور پھر آخر میں فرمایا: ((وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ))(۱) ''اگرچہ لوگ اس کے بارے میں تمہیں کچھ بھی فتویٰ دیں''۔ یعنی اگر کوئی مفتی کہہ دے کہ یہ جائز ہے' لیکن تمہارا دل اس پر مطمئن نہ ہو تو تم اسے چھوڑو' اس لیے کہ اللہ کا ایک مفتی' جو تمہارے جسم میں دل کی صورت میں موجود ہے' وہ اس کے خلاف فتویٰ دے رہا ہے۔

اس ضمن میں نورالدین زندگی کے بیٹے کا واقعہ بھی میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ تمام مکاتب فکر کے مفتیوں کے فتوے آ گئے کہ جان بچانے کے لیے شراب پی جا سکتی ہے' لیکن نورالدین زندگی کے تقویٰ کا عالَم ملاحظہ ہو کہ فتویٰ آ جانے کے بعد بھی اس کو تسلی نہ ہوئی۔ اس نے مفتیانِ کرام کو بلایا اور کہا: اگر اللہ میرے بیٹے کو شفا دینا چاہے تو کیا وہ شراب کا محتاج ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! اور اگر اللہ کی مشیت میں میرے بیٹے کی موت کا وقت آ گیا ہے تو کیا شراب اسے بچا لے گی؟ انہوں نے کہا: نہیں! اُس اللہ کے بندے نے کہا: اپنے یہ فتوے اپنے پاس رکھو! چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کی قربانی دے دی مگر اسے شراب نہیں پلوائی۔ یہ تو تقویٰ کا انداز ہے کہ جب دل مطمئن نہیں ہے تو حرام شے کو جان بچانے کے لیے بھی استعمال نہیں کیا' جبکہ اس کے برعکس بعض لوگ تکلف اور تقشّف کرتے ہیں۔ ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو ان کے ہاں فتوے

(۱) سنن الدارمی' کتاب البیوع' باب دع ما یریبك الی ما یریبك۔

ہوتے ہیں اور بڑے بڑے صریحاً حرام کو وہ ھَنِیْئًا مَرِیْئًا کھائے جا رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی نے رفع یدین نہیں کیا تو اس کی نماز باطل ہونے کا فتویٰ فوراً صادر ہو جائے گا‘ جبکہ سود کے بارے میں کوئی پروا نہیں ہے‘ تم بھی کھاؤ‘ میں بھی کھاؤں گا‘ نہ میں تمہیں ٹوکوں گا اور نہ تم مجھے ٹوکو گے۔ آج کل ایسی ہی صورت حال ہے کہ ذرا سا اختلاف یا ذرا سا کوئی فرق سامنے آ جائے تو خاص مذہبی ذہنیت کے حامل لوگ یک دم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بہت ہی خوبصورت تبصرہ ہے۔ انہوں نے یہودی علماء سے یہ کہا تھا: ’’اے فریسیو! تمہارا حال یہ ہے کہ تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو‘‘۔ بعینہٖ یہی ہوتا ہے جب اس قسم کی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسری بات جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا‘ وہ ہے: ((وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ))۔ میرے نزدیک اس کا ترجمہ ’’انبیاء سے اختلاف‘‘ ذرا مناسب نہیں ہے‘ جبکہ اس کا صحیح اور مناسب ترجمہ ’’انبیاء سے حجت بازی‘‘ کرنا ہے‘ یعنی سوال پر سوال کر کے حجت بازی کرنا اور شریعت کے دائرے کو محدود کراتے چلے جانا‘ اس سے روکا گیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک مسلمان جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھا اس کی فقہی معلومات ہمارے مفتیوں کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے کہ اس وقت تو اصل دین یہ تھا کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے تن من دھن لگا دو اور نماز پڑھ لو۔ کبھی حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو کر لو اور کبھی دیکھا ہے کہ آپؐ نے رفع یدین نہیں کیا تو آپ بھی مت کرو‘ کوئی فرق واقع نہیں ہوتا — ایک بدو صحابی دُور سے آئے اور انہوں نے حضور ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ نے گریبان کے بٹن بند نہیں کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے ساری عمر اپنی قمیص کے بٹن بند نہیں کیے۔ ٹھیک ہے یہ اُن کا اپنا ذوق ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اسی حال میں دیکھا اور عمر بھر اسی پر عمل پیرا رہے‘ لیکن اس سے آگے بڑھ کر فروعی معاملات پر بحث و تمحیص اور پھر ان میں ایک دوسرے سے اختلاف لائقِ تحسین نہیں‘ بلکہ فتنہ پیدا کرنے والا رویہ ہے۔ ہمارے ہاں جو فقہی اختلاف اور اس میں جو شدت ہے وہ آج سے نہیں ہے‘ بلکہ یہ شدت تو ابتدا سے ہے۔ امام

ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دور کے غیر حنفی فقہاء امام صاحب سے اس درجے نفرت کرتے تھے کہ ان کا نام تک لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ان کی کتابوں میں اکثر آپ کو قَالَ رَجُلٌ کُوْفِیٌّ (ایک کوفی شخص نے کہا) کے الفاظ ملیں گے۔ بھئی ان کا نام تو لیں اور اگر آپ ان کی بات رد کرنا چاہتے ہیں تو دلیل سے رد کریں۔ فقہی اختلاف کی یہ شدت ہمارے ہاں بہت جلدی پیدا ہو گئی تھی‘ جبکہ اب تو فرقہ پرستی اپنے عروج کو پہنچ گئی ہے کہ لوگ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے ضال اور مضل ہونے کے فتوے ہیں‘ کفر کے فتوے ہیں۔ اس ساری صورتحال کا سبب اوامر و نواہی میں مین میخ نکالنا ہے۔

اس حوالے سے درست رویہ یہ ہے کہ موٹی موٹی باتیں جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہوا جائے اور جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے رک جایا جائے۔ باقی یہ کہ ان کے اندر بہت زیادہ مین میخ نکالنا‘ بال کی کھال اتارنا‘ بہت تفصیلات کے اندر جانا‘ درحقیقت یہ وہ چیزیں ہیں جس سے دین میں تنگی پیدا ہوتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (آیت ۱۵۷) یعنی جب ہمارے نبی اُمی آئیں گے تو وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلائیں گے جو ان کے کندھوں پر ہوں گے اور ان کی گردنوں میں جو طوق پڑے ہوں گے ان سے بھی نجات دلائیں گے۔

یہودیوں میں قانون کے اندر باریک بینی اور مین میخ کی عادت بہت زیادہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا تو اس کے قاتل کے بارے میں جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک گائے قربان کرنے کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے اس گائے کے بارے میں سوال کر کے اور اس کی تفصیلات پوچھ کر اپنے لیے مشکلات پیدا کر لیں☆۔ تو یہ ساری چیزیں وہ اَغلال اور بوجھ تھے جو لوگوں کے اوپر ڈال دیے گئے تھے۔

☆ محترم ڈاکٹر صاحبؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:
’’بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک شخص قتل ہو گیا تھا اور قاتل کا پتا نہیں چل رہا تھا۔◀

اس ضمن میں ایک پتے کی بات اور بھی ہے‘ وہ یہ کہ علماء کو تو ’’باب الحیل‘‘ بھی معلوم ہے‘ یعنی ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ آتا ہے۔ مرتا تو عام آدمی ہے‘ اس لیے کہ اُسے حیلے معلوم نہیں ہیں‘ جبکہ علماء تو اپنے لیے حیلے تلاش کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال ملاحظہ کیجیے کہ دربارِ اکبری کے نورتن ابوالفضل اور فیضی کے بارے میں آتا ہے کہ جب گیارہ مہینے گزر جاتے تو اپنا پورا مال اپنی بیویوں کے نام کر دیتے تاکہ ’’حولانِ حول‘‘ نہ ہو (یعنی مال پر پورا سال نہ گزرے) اور زکوٰۃ نہ دینی پڑے‘ اور پھر جب بیویوں کے قبضے میں گیارہ مہینے ہو جاتے تو وہ واپس اپنے شوہروں کے نام کر دیتیں۔ یہ حیلے بہانے کرنے والے وہ علماء ہیں جن میں سے ایک نے بے نقط تفسیر لکھی ہے‘ یعنی وہ قرآن کا اتنا بڑا عالم تھا کہ کوئی نقطے والا حرف اس تفسیر میں شامل نہیں کیا —— آپ کو معلوم ہے کہ بعض حروفِ تہجی مثلاً ب‘ ت‘ ث نقطے والے ہیں‘ جبکہ بعض مثلاً ح‘ د‘ ر‘ س وغیرہ بغیر نقطے والے ہیں‘ تو اس کی تفسیر میں کوئی نقطے والا حرف نہیں ہے —— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس ایک طرف تو قرآن مجید کا وسیع علم تھا اور دوسری طرف لغت کا بھی وہ ماہر تھا۔ پھر یہی دونوں بھائی تھے جنہوں نے چٹے اَن پڑھ اکبر کو ’’دینِ الٰہی‘‘ کا سبق پڑھایا تھا‘ جیسے غلام احمد قادیانی کو جو کچھ پڑھایا‘ وہ حکیم نور الدین نے پڑھایا جو بہت بڑا اہلِ حدیث عالم تھا۔ ورنہ خود غلام احمد قادیانی کی اپنی کوئی علمی حیثیت نہیں تھی۔

◀ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے حکم دیا کہ یک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مردہ شخص کے جسم پر مارو تو وہ جی اُٹھے گا اور بتا دے گا کہ میرا قاتل کون ہے..... بنی اسرائیل کو جب گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو ان کے دلوں میں جو بچھڑے کی محبت اور گائے کی تقدیس جڑ پکڑ چکی تھی اس کے باعث انہوں نے اس حکم سے کسی طرح سے بچ نکلنے کے لیے مین میخ نکالنی شروع کی اور طرح طرح کے سوال کرنے لگے کہ وہ کیسی گائے ہو؟ اس کا کیا رنگ ہو؟ کس طرح کی ہو؟ کس عمر کی ہو؟ بالآخر جب ہر طرف سے اُن کا گھیراؤ ہو گیا اور سب چیزیں ان کے سامنے واضح کر دی گئیں تب انہوں نے چار و ناچار بادلِ نخواستہ اس حکم پر عمل کیا۔‘‘

(بیان القرآن‘ جلد اول‘ سورۃ البقرہ)

بہرحال حضور اکرم ﷺ نے ہمیں دین کی واضح تعلیمات پر عمل کرنے اور حجت بازی اور کثرتِ سوال سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز سے میں تمہیں روکوں اس سے باز آ جاؤ اور جس کام کا حکم دو تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کے لیے کوشش کرو‘ اور اَحکامِ دین میں بلاوجہ مین میخ نہ نکالو‘ اس لیے کہ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے بہت زیادہ سوال کرنے اور حجت بازی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرزِ عمل سے محفوظ رکھے۔ آمین!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

(مرتب: حافظ محمد زاہد‘ ادارتی معاون)

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس‘ سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

دعوت وتبلیغ کی حکمت عملی

تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

عتیق الرحمٰن قریشی

پروفیسر میکس ملر (Max Muller) کے بقول:

''اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے جس نے اپنے آپ کو تبلیغ کی بنیادوں پر قائم کیا' اسی کی قوت سے ترقی کی اور اسی پر اس کی زندگی کا انحصار ہے۔''

دعوت وتبلیغ ایک بھاری ذمہ داری ہے' خود قرآن نے اسے قول ثقیل (بھاری بات) سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ذمہ داری کس کی طرف سے ہے' بات کس کی ہو رہی ہے' کس کی بات ہے جو دوسروں تک پہنچائی جا رہی ہے اور جواب دہی کس کے سامنے کرنی ہوگی' یہی وہ احساس تھا جس سے نبی کریم ﷺ کا دل گراں بار تھا' جس کے بوجھ تلے آپؐ کی کمر ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داری تھی اور اس کی جواب دہی خود اُس کے حضور تھی۔

تبلیغ ایک مقدس فریضہ ہے جس کا مقصد صداقت وحقانیت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بابرکت شخصیتیں تاریخ انسانی میں تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہیں۔ انہی حضرات کی مساعی جمیلہ سے اسلام عالم میں پھیلا' جس کا جلوہ انسانی تاریخ میں عیاں و پنہاں نظر آتا ہے۔ ان تمام حضرات میں نبی کریم ﷺ کو منفرد مقام حاصل ہے' کیونکہ آپؐ نے اپنی تبلیغی مساعی کے ثمرات خود دیکھے ہیں اور ان کے گہرے نقوش صفحۂ ہستی پر نقش ہیں۔ آپ ﷺ نے تبلیغ کا ایک اسلوب دیا' اس کی اہمیت واضح کی' اس کا طریق کار متعین کیا اور اس کی تنظیم کی۔ اگرچہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمانی حکمت اور ہدایت غالب ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے' تاہم آپؐ کی انفرادیت اور خصوصی بصیرت صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

تبلیغ کی اہمیت

تبلیغ کسی فرد یا قوم کے لیے زندگی کی علامت ہے۔ اس کے بغیر انسانی تشخص کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔ اس کے دو دائرے ہیں' ایک دائرے میں یہ کسی قوم کے افراد کو اندرونی بگاڑ سے بچانے کا ذریعہ ہے اور دوسرے دائرے میں عام انسانوں کو خاص نظریے اور نظام کا قائل کرنا ہے۔ یہ کسی قوم کا اندرونی داعیہ ہے جس کے تحت وہ دوسروں کو اپنی بات منوانے کی سعی و جہد کرتا ہے۔ قرآن پاک نے تبلیغ کی صحیح اہمیت اور اس کے اصول وضوابط پر مفصل بحث کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تبلیغ کے تمام پہلوؤں پر عمدہ روشنی ڈالی۔ قرآن پاک میں تبلیغ کے ضمن میں دو طرح کے ارشادات ہیں۔ ایک وہ جن میں فریضہ تبلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسرے وہ جن میں طریقہ کار کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے دعوت وتبلیغ کے مراحل کس قدر اختصار اور جامعیت کے ساتھ سورۃ النحل میں بیان کیے ہیں' فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ﴾ (آیت ۱۲۵)

''(اے پیغمبر ﷺ!) لوگوں کو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان کے ساتھ مناظرہ کرو۔''

سید سلیمان ندویؒ کے بقول:

''دعوت وتبلیغ کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے: عقل وحکمت' موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن۔ مسلمان متکلمین نے بیان کیا ہے کہ دعوت وتبلیغ کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام آئے ہیں۔ یعنی ایک تو برہانیات جن میں یقینی مقدمات کے ذریعے سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں۔ دوسرے خطابات جن میں مؤثر اور دل پذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اور تیسرے جدلیات جن میں مقبولِ عام اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے پہلے طریق کو حکمت' دوسرے کو موعظت حسنہ اور تیسرے کو جدل سے تعبیر کیا۔''(۱)

دعوت وتبلیغ میں حکمت کا مفہوم

قرآنی نقطۂ نظر سے حکمت تبلیغی طریقۂ کار میں اوّلین اہمیت کی حامل ہے۔ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ:

''بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت' استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک طرح کی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔ جس گروہ یا شخص سے سابقہ پیش آئے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے' یوں ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔''(۲)

معاشرے میں ہر طرح کے افراد پائے جاتے ہیں' مثلاً بے دین' دنیادار' تعلیم یافتہ' اَن پڑھ' عالم دین' کاریگر' مزدور' سیاسی رہنما' مذہبی رہنما وغیرہ' لہٰذا ان سب کو دعوت دیتے ہوئے ان کی طبیعت اور ذہن و مزاج کو پیش رکھنا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا شمار تاریخ کی عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مختصر عرصے میں اپنی دعوت و تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ اس انقلاب میں دیگر باتوں کے علاوہ آپؐ کی گفتگو اور آپؐ کی حکمت تدریس کا بھی بہت عمل دخل تھا۔ آپؐ لوگوں کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھ کر گفتگو فرماتے تھے۔ آپؐ کی باتیں اتنی سادہ' سہل اور آسان ہوتی تھیں کہ فوراً دلنشیں ہو جاتی تھیں۔ آپ ﷺ نے نفسیاتِ انسانی کا پورا پورا خیال رکھا۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ ع ''وہ کہیں اور سنا کرے کوئی!''

ذیل میں دعوت و تبلیغ کے ضمن میں حکمت کے تمام ممکنہ اہم نکات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی:

(۱) عقل کے مطابق گفتگو

دعوت و تبلیغ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ مخاطب کی عقل اور اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے۔ معلم انسانیت ﷺ کے مخاطبین مختلف ذہنی سطحوں کے حامل تھے۔ آپؐ نے ہمیشہ ان کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر گفتگو کی اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسی کی تاکید کی۔ کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُحَدِّثُوْا اُمَّتِیْ مِنْ اَحَادِیْثِیْ اِلَّا بِمَا تَحْمِلُہ عُقُوْلُھُمْ)) (۳)

''میری اُمت کو میری باتیں نہ بتاؤ اِلا یہ کہ وہ ان کی عقلوں کے مطابق ہوں (یعنی ان کی عقلیں انہیں سمجھنے کی متحمل ہوں)۔''

ایک اور موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ ، اَتُحِبُّوْنَ اَنْ یُکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (۴)

''تم لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ جنہیں وہ پہچانتے ہوں (یعنی جو ان کی سمجھ میں آتی ہوں) کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تکذیب کی جائے؟''

امام ابن تیمیہؒ نے اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں یہ حدیث نقل کی ہے:

((اُمِرْتُ اَنْ اُخَاطِبَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ))(۵)

''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے اندازے سے گفتگو کروں۔''

(۲) صاف اور واضح گفتگو

نبی اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں گنجلک' پیچیدہ اور سمجھ میں نہ آنے والی گفتگو سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ آپؐ کی گفتگو انتہائی مختصر' سادہ' واضح اور سہل ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسْرُدُ سَرْدَکُمْ وَلٰکِنَّہٗ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِکَلَامٍ بَیِّنَہٗ فَصْلٌ یَحْفَظُہُ مَنْ جَلَسَ اِلَیْہِ (۶)

''رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے' بلکہ آپؐ نہایت واضح گفتگو فرماتے تھے اور ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا' جسے آپؐ کے پاس بیٹھنے والا ہر شخص یاد کر سکتا تھا۔''

آپ ﷺ کے خادم خاص اور رفیق و ہم سفر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُعِیْدُ الْکَلِمَۃَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْہُ (۷)

''رسول اللہ ﷺ اپنی بات تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ (سننے والے) اچھی طرح سمجھ لیں۔''

(۳) اختصار اور عدم طوالت

ایک داعی اپنی بات جتنے مختصر الفاظ میں دوسروں تک پہنچائے گا اس کی دعوت اتنی ہی دلوں کو مسخر کرتی جائے گی۔ نبی مکرم ﷺ کی دعوت کی ایک اہم خوبی عدمِ طوالت اور اختصار تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

((اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَاخْتُصِرَ لِیَ الْکَلَامُ اِخْتِصَارًا))(۸)

''مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں اور میرے لیے کلام کو مختصر کر دیا گیا ہے۔''

نبی مکرم ﷺ کی پوری سیرت میں صرف چند خطبوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جو ذرا طویل ہیں' مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی زیادہ طویل نہیں ہیں' مثلاً حجۃ الوداع کا خطبہ غالباً سب سے طویل خطبہ ہے لیکن وہ گنے چنے جملوں پر مشتمل ہے۔

(۴) آسان اور سہل انداز

نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی دعوت میں فلسفیانہ یا پیچیدہ انداز اختیار نہ کیا بلکہ آپؐ کا اندازِ تبلیغ انتہائی سہل تھا۔ عرب کے شعراء، خطباء اور ادباء اپنی عبارت آرائی اور مشکل پسندی پر اتراتے تھے۔ ان کی مقفیٰ اور مسجع عبارات ان کی عربی دانی کا ثبوت دیتی تھیں مگر آپ ﷺ کے سادہ اور آسان طرزِ بیان نے ان کے طلسم کو توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں کو بھی یہی ہدایت فرمائی کہ وہ لوگوں کے لیے آسان و سہل انداز اختیار کریں۔ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، مشکل اور پیچیدہ اندازِ تکلم اختیار کر کے لوگوں کو دین حنیف سے متنفر نہ کریں۔ آپ ﷺ نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا)) (۹)

''لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو اور مشکلات پیدا نہ کرو، انہیں خوشخبریاں دو اور متنفر نہ کرو۔''

ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُبَشِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ)) (۱۰)

''تم لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے ہو نہ کہ مشکلات پیدا کرنے کے لیے۔''

(۵) ظریفانہ انداز

رسول اللہ ﷺ دوسری مذہبی شخصیات کی طرح خشک قسم کے انسان نہ تھے کہ ہر وقت ماتھے پر تیوری چڑھائی ہوئی ہو اور سنجیدگی کے باعث لوگ قریب نہ پھٹک سکتے ہوں، بلکہ آپؐ تو انتہائی خوش گو، خندہ پیشانی کے حامل اور لوگوں کے ساتھ گھل مل جانے والے انسان تھے۔ آپؐ کے ہونٹوں پر ہر وقت تبسم رقصاں رہتا تھا، آپؐ کا دمکتا ہوا چہرہ اور چمکتا ہوا ماتھا لوگوں کی قربت کا باعث بنتا تھا۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں بھی آپ ﷺ کی دل لگی اور ہلکی پھلکی گفتگو کا عنصر شامل تھا، مثلاً ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے مابین تشریف فرما تھے کہ ایک بدو آیا اور اس نے آپؐ سے ایک اونٹ مانگا۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

((اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ النَّاقَةِ)) فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ)) (۱۱)

''میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دینے لگا ہوں۔'' اس آدمی نے (پریشان ہو کر) عرض کیا: یارسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اونٹ اونٹنی ہی کا بچہ نہیں ہوتا!''

یہ تو ایک عام بدو کے ساتھ گفتگو کا انداز ہے، جبکہ اپنے احباب کے ساتھ تو آپ ﷺ کے بے تکلفی کے اور بھی انداز تھے۔ کبھی اپنے ساتھیوں کے ناموں کو مختصر کر کے پکارتے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ''اباھر''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''عائش'' سے، جبکہ اپنے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ''ذُوالاُذُنَین'' (دو کانوں والا) کہہ کر پکارتے۔ (۱۲)

(۶) انسانی جذبات و احساسات کا خیال

نبی کریم ﷺ صحابہؓ کے رجحانات، کیفیات اور ان کے احساسات و جذبات کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور اپنی دعوت کے دوران کبھی بھی ایسا موقع پیدا نہیں فرماتے تھے کہ لوگ بوریت محسوس کریں یا سبق سے اُکتا کر تعلیم ہی چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ جب محسوس کرتے کہ لوگ بات سننے پر آمادہ ہیں اور دعوت سننے کے لیے تیار ہیں تو ایسے موقع کو غنیمت جان کر اپنی دعوت پیش فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے شاگرد رشید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب لوگوں نے مطالبہ کیا کہ وہ روزانہ تعلیم دیں اور وعظ و نصیحت کریں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ تنگ آ جائیں اور اکتا جائیں۔ آپؓ کے الفاظ یہ ہیں:

اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا (۱۳)

''مجھے اس سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ میں تمہیں اکتاہٹ میں ڈال دوں، میں ناغے دے کر وعظ و نصیحت کرتا ہوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ ہمیں ناغے دے کر تعلیم دیا کرتے تھے اور آپؐ اس لیے کرتے تھے کہ ہم لوگ کہیں اکتا نہ جائیں۔''

(۷) ملاطفت پر مبنی تعلیم

حضور اکرم ﷺ کی دعوت محض الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں تھی اور نہ ہی محض فصاحت و بلاغت کا مرقع، بلکہ آپؐ کی دعوت تو محبت و شفقت سے معمور تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دعوت و تبلیغ کے حوالے سے جو تعلیمات دیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ اس معاملے میں کس قدر نرمی و شفقت کا خیال رکھتے تھے۔ آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ)) (۱۴)

''تم رِفق (یعنی نرمی و ملاطفت) کو لازم پکڑو اور عنف (یعنی سختی اور درشت روئی) اور فحش باتوں سے بچو۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

((عَلِّمُوْا وَلَا تُعَنِّفُوْا فَإِنَّ الْعِلْمَ خَيْرٌ مِنَ الْعَنَفِ)) (۱۵)

''لوگوں کو تعلیم دو اور (دورانِ تعلیم) سختی اور درشتی سے پیش نہ آؤ' کیونکہ علم ''العنف'' (سختی اور درشتی) سے بہتر ہے۔''

(۸) ضرب الامثال' تشبیہات اور استعارات کا استعمال

نبی کریم ﷺ نے اپنی دعوت سے لوگوں کو متعارف کرانے کے لیے ضرب الامثال کا خوب استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ افصح العرب اور جوامع الکلم کے حامل تھے۔ جب آپؐ کے ساتھی آپؐ کی بلیغ گفتگو سنتے تو حیران ہو جاتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے فرمایا: ''میں عرب میں گھوما پھرا ہوں' فصحائے عرب کا کلام سنا ہے لیکن آپؐ سے بڑھ کر فصیح کلام کسی اور سے نہیں سنا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْد)) (۱۶)

''میری (لسانی) تربیت میرے رب نے خود فرمائی ہے' نیز میں نے بنی سعد (کی فصاحت آموز فضا) میں پرورش پائی ہے۔''

اگر ہم اپنی دعوت میں امثال و تشبیہات کا استعمال کریں تو دلوں کے تمام بند دروازے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے اور ہماری دعوت کو ہر جگہ خوش آمدید کہا جائے گا۔ اس حوالے سے چند مثالوں میں نبی معظم ﷺ کا اُسوۂ مبارک دیکھتے ہیں۔ مسلم برادری کی مثال دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا)) (۱۷)

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے (اینٹوں کی) دیوار مانند ہے' دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصے کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔''

آپ ﷺ کی پیش کردہ ضرب الامثال میں سے دو مثالیں حسب ذیل ہیں: (۱) اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ (۱۸) ''مجالس کے لیے امانت داری لازم ہے''۔ (۲) فَإِنَّ كُلَّ ذِیْ نِعْمَةٍ

مَحْسُوْدٌ (۱۹) ''ہر نعمت پانے والے سے حسد کیا جاتا ہے''۔ اس قسم کی سینکڑوں اَمثال احادیث کی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔

(۹) تاکیدی گفتگو

اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت ہر انسان کے دل میں موجود ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی قسم کھا کر بات کرتا ہے تو مخاطب ہل کر رہ جاتا ہے اور اس کو یقین کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ اس طرح کی بات میں انتہائی درجے کا تیقّن پایا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہر بات اہم' مفید اور حکمت سے لبریز ہوتی تھی' مگر بعض اوقات آپؐ اللہ کی قسم کھا کر بات کی اہمیت کو مزید بڑھا دیتے تھے۔ تکلم کے اس تاکیدی انداز کی سیرتِ طیبہ میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

(۱) آپ ﷺ نے ہمسائے اور اس کے حقوق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے قسم کھائی:

((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' قِيْلَ مَنْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ ((اَلَّذِیْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَايِقَهٗ)) (۲۰)

''اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں' اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں' اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں! پوچھا گیا: کون یارسول اللہ؟ فرمایا: ''وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں۔''

(۲) مسلمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو السلام علیکم کہتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک چھوٹا سا عمل ہے اور بسا اوقات انسان اسے ہلکا سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے' مگر حضور ﷺ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپؐ نے اس کے لیے کس طرح تیار کیا' اس کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا' اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ)) (۲۱)

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' تم جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان نہیں لا سکتے جب تک تم ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتا دوں کہ جب تم وہ کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ یہ کہ تم اپنے درمیان سلام پھیلاؤ۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی گفتگو محض سپاٹ اور خالی از جذبہ نہیں ہوتی تھی کہ

سامع کوئی اثر نہ لے یا اس کے جذبات میں کوئی ہلچل نہ مچے' بلکہ آپؐ مختلف انداز سے سامع کے جذبات کو ابھارنے اور اس کے اندر تحریک پیدا کرنے کے لیے کوشش فرماتے تھے۔

(۱۰) اشاروں کے ذریعے بات سمجھانا

ایک داعی کی حیثیت سے بوقت ضرورت آپ ﷺ اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے اپنے ہاتھوں سے اشارے فرماتے تھے' مثلاً ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا)) ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ(۲۲)

''مسلمان مسلمان کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو قوت پہنچاتا ہے۔ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے قربِ قیامت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہوئے فرمایا:

((بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ))(۲۳)

یعنی ''میری بعثت کو اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح ملا کر رکھا گیا ہے۔''

دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں حکمت پر مبنی یہ تھے چند اسالیب جنہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کا حصہ بنایا اور جن کی بدولت لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپؐ کی گرویدہ ہوگئی۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ان اسالیب کو اپنایا جائے۔ اس سے ان شاءاللہ مفید نتائج برآمد ہوں گے۔

حوالہ جات

(۱) سید سلیمان ندوی' سیرۃ النبی ﷺ' ج۴' ص ۳۵۲۔۳۵۳۔

(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی' تفہیم القرآن' ج۱' ص ۵۸۱۔

(۳) علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی' کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال عن ابن عباسؓ۔ بحوالہ ''قرآن اور صاحبِ قرآن کا اسلوبِ تعلیم'' از پروفیسر رب نواز۔

(۴) محمد بن اسماعیل البخاری' صحیح البخاری' کتاب العلم' باب من خص بالعلم قوما.....

(۵) ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ الجرانی' مجموع الفتاویٰ: ۳۳۸/۱۸۔

(۶) محمد بن عیسیٰ الترمذی' سنن الترمذی' ابواب المناقب' باب فی کلام النبی ﷺ۔

(۷) ایضًا۔

(۸) عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد جلال الدین السیوطی' الجامع الصغیر:۱۱۶۔

(۹) محمد بن اسماعیل البخاریؒ ' الجامع الصحیح' کتاب الأدب'باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا وکان یحب التخفیف۔

(۱۰) احمد بن حنبلؒ ، مسند احمد ، ج۱' ص ۴۱۵' بحوالہ ابی ہریرہؓ۔

(۱۱) محمد بن عیسیٰ الترمذی' سنن الترمذی' ابواب البر والصلۃ ' باب ما جاء فی المزاح۔

(۱۲) نعیم صدیقی' محسن انسانیت' ص ۱۰۶۔

(۱۳) محمد بن اسماعیل البخاری' الجامع الصحیح' کتاب العلم' باب ھل من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ۔

(۱۴) محمد بن اسماعیل بخاری' الجامع الصحیح' کتاب الادب' باب لم یکن النبی فاحشا ولا متفحشا۔

(۱۵) رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔

(۱۶) احمد بن محمد بن ابی بکر عبدالملک بن احمد قسطلانیؒ ، مواھب اللدنیہ، ج۱' ص ۲۵۶۔

(۱۷) محمد بن اسماعیل البخاری' الجامع الصحیح' کتاب الادب' باب تعاون المؤمنین بعضھم بعضا۔

(۱۸) سلیمان بن الاشعث بن اسحاق ابوداؤد السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الادب' باب فی نقل الحدیث : ((المجالس بالامانۃ))

(۱۹) علی بن ابی بکر بن سلیمان نور الدین الھیثمی، مجمع الزوائد : ۱۹۸/۸۔

(۲۰) محمد بن اسماعیل البخاریؒ ، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اثم من لایأمن جارہ بوایقہ۔

(۲۱) مسلم بن الحجاج القشیری' الجامع الصحیح' کتاب الایمان' باب تجاوز اللّٰہ عن حدیث النفس والخواطر بالقلب.....

(۲۲) محمد بن اسماعیل البخاری' الجامع الصحیح' کتاب الادب' باب تعاون المؤمنین بعضھم بعضا۔

(۲۳) محمد بن اسماعیل البخاری' الجامع الصحیح' کتاب الرقاق' باب قول النبی ﷺ بعثت انا والساعۃ کھاتین۔

حکومت کی معزولی

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہ کی تالیف ''اسلام و سیاسی نظریات'' سے ماخوذ ہے۔ مفتی صاحب نہ صرف پاکستان بلکہ عالمِ اسلام کی ممتاز علمی شخصیت ہیں۔ آپ شریعت ایپلیٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ ماہنامہ ''البلاغ'' اور ''البلاغ انٹرنیشنل'' (انگریزی) کی ادارت کے فرائض عرصہ دراز سے ادا فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ''مجمع الفقہ الاسلامی'' جدہ، سعودی عرب کے نائب رئیس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ کراچی کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم کراچی کی نائب صدارت اور شیخ الحدیث کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ساٹھ سے زائد کتب کے مصنف بھی ہیں، جو اُردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوکر عام وخاص میں مقبول ہیں۔

پیش کردہ مضمون میں موصوف نے عصرِ حاضر میں حکومت کی معزولی اور نفاذِ شریعت کے مختلف طریقوں پر اپنے خیالات اور افکار پیش فرمائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دیگر اہلِ علم دلیل کی بنیاد پر ان سے اختلاف بھی کر سکتے ہیں۔ اس مضمون میں انہوں نے دو بنیادی طریقوں پر بحث کی ہے۔ ایک یہ کہ امام خود اپنے آپ کو معزول کردے، دوسرے یہ کہ امام کے خلاف مسلح کارروائی یعنی خروج کیا جائے۔ مزید یہ کہ فقہاء کی شرائطِ خروج بھی نقل فرمادی ہیں۔ احیائی تحریکات کے وابستگان کے لیے پرامن احتجاج ''شرعی ہڑتال'' کا طریقہ کار تجویز فرمایا۔ جس کے بعد کارکنان کے ذاتی تزکیہ واصلاح کی خصوصی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ یقیناً احیائی تحریکات سے منسلک افراد کے لیے اس مبحث کا مطالعہ مفید رہے گا۔ چونکہ آج بھی اکثر دینی جماعتوں کا رجحان انتخابی سیاست یا مسلح کارروائی کی طرف ہے اور اسی سے وہ اسلامی نظام کے قیام کا موہوم خواب دیکھ رہی ہیں، جب کہ ہماری چھیاسٹھ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ انتخابی سیاست کے ذریعے اسلامی نظام کا قیام ایک فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جہاں تک کلمہ گو حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کا تعلق ہے اس پر حضرت مفتی صاحب کی تحقیق کا حاصل آئندہ صفحات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ارسال کردہ: مرکز تعلیم وتحقیق، قرآن اکیڈمی یٰسین آباد، کراچی

بعض مغربی مصنفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام میں جب ایک حکومت قائم ہوجائے تو اُس کو ہٹانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ خیال شاید ان احکام کو دیکھ کر پیدا ہوا ہے جن میں کسی حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت سے منع کیا گیا ہے، لیکن یہ تخیل قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں جس طرح کسی امیر یا خلیفہ کا تقرر پُرامن طور پر ہوسکتا ہے اسی طرح اس کی معزولی بھی مختلف طریقوں کے تحت ہوسکتی ہے۔

ا۔ پُرامن معزولی

چنانچہ مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر وہ پُرامن طریقے سے معزول ہوسکتا ہے:

(۱) امام خود اپنے آپ کو معزول کردے، یعنی استعفا دے دے کہ میں آگے کام نہیں کرسکتا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ معزول ہوجائے گا۔

(۲) امام پر کوئی ایسی حالت طاری ہوجائے جس کی وجہ سے وہ کاروبارِ حکومت چلانے کا اہل نہ رہے۔ مثال کے طور پر پاگل ہوگیا، یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی جس کی وجہ سے وہ اپنے روزمرہ کے کاروبار سرانجام نہیں دے سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بھی وہ معزول ہوجائے گا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ وہ حاکم فسق کا ارتکاب کرے جس میں ظلم بھی داخل ہے، مثلاً اُس نے (العیاذ باللہ) شراب پینی شروع کردی یا رشوت لینی شروع کردی یا ناجائز ٹیکس لگادیے۔ ایسے فسق کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ایسا امام معزولی کا مستحق تو ہے لیکن اس کی وجہ سے اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر اس کو پُرامن ذرائع سے معزول کیا جاسکتا ہو تو معزول کرنا واجب ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

> **''الذی علیه العلماء فی أمراء الجور أنّه ان قدّر علی خلعه بغیر فتنة ولا ظلم وجب، والا فالواجب الصبر۔''** (۱)
>
> ''ظالم حکمرانوں کے بارے میں جس بات پر علماء متفق ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر انہیں اتارنے پر کسی فتنے یا ظلم کے بغیر قدرت ہو تو اُسے ہٹانا واجب ہے، ورنہ واجب یہ ہے کہ صبر کیا جائے۔''

اور صبر کا مطلب یہ ہے کہ مسلح کارروائی کے ذریعے اُسے ہٹانے کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱) فتح الباری، کتاب الفتن، باب قول النبي صلی اللّٰہ علیه و سلم سترون بعدي أمور---

اور پرامن طریقے سے ہٹانے کا طریقہ آج کل یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اختیار شوریٰ کو یا عدالت کو دیا جائے کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا وہ فسق کی بنا پر معزولی کا مستحق ہے؟ اگر معزولی کا مستحق ہو تو شوریٰ یا عدالت اُسے معزول کرے۔

(۴) اگر مذکورہ بالا اسباب میں سے کوئی سبب موجود نہ ہو' لیکن اُس کی پالیسیاں ریاست کے مفاد کے مطابق نظر نہ آتی ہوں جس کی وجہ سے لوگ اُسے ناپسند کرتے ہوں تو کیا ایسی صورت میں بھی اُسے معزول کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا واضح مثبت یا منفی جواب مجھے نہیں ملا' لیکن عام قواعد سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ جس شوریٰ نے اُسے امیر بنایا تھا اگر وہی ایسے حالات میں اُسے پُرامن آئینی ذرائع سے معزول کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی۔ ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا:

((أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ)) (۱)

''وہ شخص جو ایسی قوم کی امامت کرے جو اُسے ناپسند کرتے ہوں۔''

اس حدیث کی سند پر کچھ کلام ہے' لیکن اس کا وہ طریق جو حضرت حسن رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے' درست ہے۔ نیز آگے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو عمر بن حارث بن مطلق کے مقولے کے طور پر بھی صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن حکمرانوں کو لوگ ناپسند کرتے ہوں ان کا برسراقتدار رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے' لہٰذا ان سے بہتر حکمران لانے کے لیے اگر کوئی پُرامن راستہ ممکن ہو تو اُسے اختیار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ہوگا۔ نیز حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ))

''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں' اور تم انہیں دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں' اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض

(۱) سنن الترمذی: کتاب الصلاۃ' باب ما جاء فیمن أمّ قوما ---

رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں' اور تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔''

اگرچہ اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

((أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟))

''کیا ہم ایسے موقع پر انہیں اٹھا نہ پھینکیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ ، لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ ، أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ)) (۱)

''نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم رکھیں۔ نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم رکھیں۔ اچھی طرح سن لو کہ جس شخص پر کوئی حکمران ہو' پھر وہ اس کو کسی معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو جس معصیت کا وہ ارتکاب کر رہا ہے اُسے برا سمجھے' لیکن اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے۔''

لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے خلاف مسلح بغاوت جائز نہیں ہے۔ ورنہ جہاں تک پُرامن ذرائع سے اُس کو ہٹانے کا تعلق ہے' اس کی ممانعت اس ارشاد سے نہیں نکلتی۔

لہٰذا جب اسلامی حکومت کا ڈھانچہ بنایا جا رہا ہو تو اس کے دستور میں ایسی کوئی دفعہ رکھنی چاہیے کہ جس کے ذریعے ایسے مواقع پر اس کو پُرامن طریقے سے الگ کیا جاسکے۔

(۴) آج کل بیشتر ملکوں میں طریق کار یہ ہے کہ سربراہ حکومت' چاہے وہ صدر کی شکل میں ہو یا وزیراعظم کی شکل میں' ایک مخصوص مدت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے جس کے گزرنے کے بعد وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نیا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسلامی تاریخ میں اس طرح محدود مدت کے لیے کسی کو خلیفہ بنانے کی مثالیں موجود نہیں ہیں' لیکن جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا ہے' سیاسی نظام کی تفصیلات میں اسلام کا رویہ بہت لچکدار رہا ہے' چنانچہ قرآن وسنت کا کوئی حکم خلیفہ کی مدتِ تقرر متعین کرنے کے خلاف بھی موجود نہیں ہے۔ خلیفہ یا امیر کا تقرر شوریٰ کرتی ہے اور وہ حالات کے پیش نظر اگر تقرر کی کوئی مدت مقرر کر دے تو اس میں کوئی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب خیار الأئمة وشرارهم

شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی‘ لیکن یہ مدت ایسی ہونی چاہیے جس میں کوئی سربراہ اپنی پالیسیاں مؤثر طریقے سے نافذ کر سکے۔ اس صورت میں امیر کی معزولی کی چوتھی صورت یہ ہوگی کہ اُس کے تقرر کی مدت گزر جائے۔

۲۔ امیر کے خلاف مسلح کارروائی یا خروج

حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں خانہ جنگی کو بدترین برائی سمجھا گیا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا وہ یہ تھی کہ:

((فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ [قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ] وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا ، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ ، فَلَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا أَوْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلِّغُهُ يَكُونُ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ ، ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ)) (۱)

’’تمہارے خون‘ تمہارے مال اور (محمد بن سیرین کی روایت کے مطابق) تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لیے ایسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے تمہارے اس دن (یومِ عرفہ) کی‘ تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) کی‘ تمہارے اس مہینے (ذوالحجہ) کی حرمت ہے۔ تم سب اپنے پروردگار سے جا کر ملو گے‘ پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ لہٰذا میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں‘ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس کو یہ بات پہنچائی جائے‘ وہ اصل سننے والے سے زیادہ اُسے محفوظ رکھے‘‘۔ پھر فرمایا: ’’یاد رکھو‘ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟‘‘

چنانچہ مسلمانوں کے درمیان لڑائی اور خانہ جنگی سے بچنے کے لیے شریعت نے بڑی سے بڑی برائی کو بھی گوارا کر لیا ہے۔ اسی لیے حضور سرور عالم ﷺ نے بار بار مختلف عنوانات اور مختلف اسالیب سے یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص خلیفہ یا امیر بن جائے تو چاہے وہ فسق کا ارتکاب

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب القسامة والمحاربین‘ باب تغلیظ تحریم الدماء---

کرے یا لوگوں پر ظلم کرے‘ کسی بھی حالت میں اُس کے خلاف مسلح بغاوت نہ کرو‘ تاکہ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کی نوبت نہ آئے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ پیچھے گزر چکے ہیں کہ:

((أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ)) (۱)

’’اچھی طرح سن لو کہ جس شخص پر کوئی حکمران بنا ہو‘ پھر وہ اس کو کسی معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو جس معصیت کا وہ ارتکاب کر رہا ہے اُسے برا سمجھے‘ لیکن اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے۔‘‘

یہاں تک کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے آخری زمانے کی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

((سَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ فِيْ جُثْمَانِ اِنْسٍ))

’’عنقریب ان میں ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کے دل انسانوں کے جسم میں ہوتے ہوئے شیطانوں کے دل ہوں گے۔‘‘

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا کہ اگر میں وہ زمانہ پالوں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ لِلْأَمِيْرِ، وَاِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ)) (۲)

’’امیر کی سمع واطاعت سے کام لیتے رہو‘ اگرچہ تمہاری پشت پر مار پڑے اور تمہارا مال چھین لیا جائے تب بھی سمع وطاعت سے کام لو۔‘‘

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

((اِنْ كَانَ لِلّٰهِ خَلِيفَةٌ فِي الْأَرْضِ فَضَرَبَ ظَهْرَكَ وَأَخَذَ مَالَكَ فَأَطِعْهُ)) (۳)

’’اگر زمین میں اللہ کا کوئی خلیفہ موجود ہو‘ پھر وہ تمہاری پشت پر مارے اور تمہارا مال لے لے‘ تب بھی اُس کی اطاعت کرو۔‘‘

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الامارة‘ باب خیار الأئمة وشرارهم

(۲) صحیح مسلم‘ کتاب الامارة‘ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین---

(۳) سنن ابی داؤد‘ کتاب الفتن والملاحم‘ باب ذکر الفتن ودلائلها

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنا دفاع کرنا جائز نہیں‘ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے خلاف بغاوت نہ کرو جس سے مسلمانوں کے درمیان خونریزی لازم آئے۔ البتہ ایسے حاکم کو پُرامن ذرائع سے معزول کرنا واجب ہے‘ جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے اور حتی المقدور اپنا دفاع کرنا جائز ہے‘ جس کی کچھ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

صرف ایک صورت ایسی ہے جس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلح خروج کے ذریعے امیر کا تختہ الٹنے کی اجازت دی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہم سے جس بات پر بیعت لی وہ یہ تھی کہ:

((عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ))(۱)

’’اس بات پر کہ ہم سمع وطاعت سے کام لیں گے‘ چاہے پسندیدگی کی حالت ہو یا ناپسندیدگی کی‘ تنگی ہو یا خوشحالی‘ اور چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جا رہی ہو‘ اور اہلِ اقتدار سے اُن کے اقتدار میں جھگڑا نہیں کریں گے‘ الا یہ کہ تم کھلا کفر دیکھ لو جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ثبوت موجود ہو۔‘‘

اس کا حاصل یہ ہے کہ امیر کے خلاف ہتھیار اٹھا کر اُس کا تختہ الٹنے کی کوشش صرف اس صورت میں کی جا سکتی ہے کہ جب اُس سے کھلا کفر سرزد ہو جائے۔ اس میں بھی حضور اکرم ﷺ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ بالکل کھلا ہوا کفر ہو جس کے بارے میں ہر شخص یہ سمجھ سکے کہ یہ کفر کی بات ہے‘ (اسی لیے کفر کے ساتھ ’’بواح‘‘ کی قید ہے) اور اُس بات کے کفر ہونے پر بھی اور امیر کی طرف سے اُس کے سرزد ہونے پر بھی واضح ثبوت یا دلیل موجود ہو‘ محض سنی سنائی باتوں یا قیاسات اور اندازوں یا پروپیگنڈے کی بنیاد پر اُس کے کافر ہونے کی رائے قائم نہ کر لی گئی ہو۔ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے یہاں یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حدیث میں ’’اِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا‘‘ کے جو الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں‘ اُن سے مراد آنکھوں سے دیکھ لینا ہے‘ محض رائے قائم کر لینا نہیں‘ کیونکہ درست رؤیت کو یہاں ایک مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے‘ جس سے معلوم ہوا کہ رؤیتِ عین مراد ہے‘ اگر رؤیتِ قلب مراد ہوتی تو

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الفتن‘ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سترون بعدی

متعدی الی مفعولین ہوتا‘ اور رؤیتِ عین کے معنی یہ ہیں کہ بالکل آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے‘ محض شبہ ہو یا قیاس آرائی کی گئی ہو تو اس وقت خروج جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا کفر ہونا بھی متفق علیہ ہو اور امیر سے اس کا صدور بھی یقینی ہو‘ تب خروج جائز ہوگا۔

نیز دو شرطیں اور ظاہر ہیں‘ ایک یہ کہ اُس کو طاقت کے ذریعے ہٹا دینے کی قدرت ہو اور دوسرے یہ کہ اُس کے ہٹانے میں اور کوئی اُس سے بڑا مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو۔ مثلاً یہ غالب گمان ہو کہ اُس کو ہٹانے کے بعد بھی طالبانِ اقتدار کے درمیان جنگ جاری رہے گی اور کسی ایک شخص پر لوگ متفق نہیں ہو سکیں گے اور تمام تر جدوجہد کے بعد بھی عوام کو مسلسل خونریزی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا یا اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی دشمن ملک چڑھائی کر کے ملک پر قبضہ کر لے گا اور ابھی تک تو صرف امیر ہی کافر تھا‘ اب پورا ملک (معاذ اللہ!) دارالاسلام کی حیثیت کھو بیٹھے گا اور دشمن ملک کے تسلط سے دارالکفر میں تبدیل ہو جائے گا۔

اس موضوع پر حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: ’’جزل الکلام فی عزل الامام‘‘۔ یہ رسالہ امداد الفتاویٰ میں چھپا ہوا ہے اور اس کا خلاصہ میں نے ’’تکملة فتح الملهم‘‘ میں بھی لکھ دیا ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل کیساتھ حکمرانوں کی بدعنوانیوں کی مختلف صورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ہر صورت کا حکم الگ لکھا ہے۔ اس کی متعدد باتیں تو اوپر آ چکی ہیں‘ البتہ دو اہم باتیں مزید قابلِ ذکر ہیں۔

ایک یہ کہ کسی حکمران کو حکومت سے ہٹانے کی کوشش اور اُس کے ظلم سے دفاع کی کوشش میں فرق ہے۔ حکومت کو ہٹانے کے لیے مسلح کارروائی ’’کفر بواح‘‘ (کھلے ہوئے کفر) کے علاوہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی حکمران کسی شخص کی جان یا مال پر ناحق ظلم کرتا ہے تو اپنی جان یا مال کا تحفظ انسان کا حق ہے اور اس تحفظ کے لیے اگر اُسے ہتھیار بھی اٹھانا پڑے تو وہ جائز ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ))(۱)

’’جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔‘‘

اور ترمذی‘ ابوداؤد اور نسائی کی روایتوں میں الفاظ یہ ہیں:

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب المظالم والغصب‘ باب من قاتل دون ماله

((مَنْ أُرِيدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ)) (۱)

''جس شخص کا مال کسی نے ناحق لینے کا ارادہ کیا ہو' اس کی وجہ سے وہ لڑا ہو اور قتل ہو گیا ہو تو وہ شہید ہے۔''

اس قسم کی لڑائی جو اپنی جان یا مال کے دفاع کے لیے لڑی جائے' عموماً انفرادی نوعیت کی ہوتی ہے اور اس میں کوئی ملک گیر خونریزی نہیں ہوتی' جسے فتنے سے تعبیر کیا گیا ہے' اس لیے اس کی اجازت ہے۔ اس کے برخلاف اگر جنگ کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا ہو تو اُس میں وسیع پیمانے پر خونریزی تقریباً ناگزیر ہوتی ہے جو بڑا فتنہ ہے۔ بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ نے جو فرمایا ہے کہ اگر کچھ لوگ کسی ظالم حکمران کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو اگر ظلم واضح ہو تو ان کی مدد کی جائے اور ظلم واضح نہ ہو تو نہ سلطان کی مدد کی جائے اور نہ ان لوگوں کی (۲) تو اُس سے مراد حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے بغاوت نہیں ہے' بلکہ ظلم کا دفاع ہے۔ (۳)

اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اور صورت ایسی ہے جس میں امیر کا فسق دوسروں تک متعدی ہو رہا ہو' یعنی امیر لوگوں کا دین خراب کر رہا ہو تو اس کا حکم اکراہ کا ہوگا اور اکراہ کے احکام جاری ہوں گے۔ لیکن اگر امیر نے اسے ایک مستقل پالیسی بنالیا کہ مستقل طور سے لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرنے لگا ہے اور اس میں غیر اسلامی قوانین کا مسلسل جاری رکھنا بھی داخل ہے تو اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان غیر اسلامی قوانین کو شریعت کے مقابلے میں بہتر سمجھتا ہے تو کفر صریح ہے اور اگر فوقیت نہیں دیتا لیکن تاویلاً (شریعت کی غلط تشریح کر کے) یا تکاسلاً (سستی کی بنا پر) اس کو چھوڑا ہوا ہے تو بھی اگرچہ یہ کفر صریح نہ ہو' لیکن کفر کے حکم سے ملحق ہو سکتا ہے' کیونکہ اس سے شریعت کا استخفاف لازم آتا ہے' لہٰذا اس صورت میں بھی خروج جائز ہے' لیکن یہاں دو باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ خاص طور پر آخری صورت میں آراء کا اختلاف ہو سکتا ہے کہ آیا امیر کے مسلسل خلافِ شریعت عمل کو کفر بواح کے ساتھ ملحق کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ اس کے خلاف خروج کرنا چاہیے اور بعض کہیں کہ خروج نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا اختلافِ آراء اجتہادی اختلاف ہوگا اور اس میں کوئی جانب قابل ملامت نہیں ہوگی۔ چنانچہ

(۱) سنن الترمذی' کتاب الدیات' باب ما جاء فیمن قتل دون ماله---

(۲) ردّ المختار' باب البغاة' ج ٤' ص ٢٦٤' ٢٦٥

(۳) امداد الفتاویٰ' ج ٥' ص ١٢١

صدر اول میں یزید اور بنو امیہ کے حکمرانوں کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یا اہل حرہ نے جو خروج فرمایا اُس میں اسی قسم کا اجتہادی اختلاف تھا۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت زید بن علی رحمہ اللہ اور حضرت ابراہیم نفس زکیہ رحمہ اللہ کے خروج کی جو حمایت کی اور اُس کے بارے میں بھی دوسرے حضرات نے جو اختلاف فرمایا' اُس کی وجہ بھی یہی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا اس بات پر تمام حضرات فقہاء متفق ہیں کہ خروج جہاں کہیں بھی جائز ہوتا ہے اُس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ طاقت کے ذریعے حکومت کو ہٹا دینے کی قدرت ہو اور دوسرے یہ کہ اُس کو ہٹانے میں اور کوئی اُس سے بڑا مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس بارے میں بھی اختلافِ رائے کا امکان ہے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اگرچہ خروج کو فی نفسہٖ جائز سمجھتے تھے' لیکن خود بہ نفس نفیس اس میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

ان قام به رجل واحد قتل ولم يصلح للناس أمر' ولكن ان وجد عليه اعوانا صالحين ورجلا يرأس عليهم مامونا فى دين الله ..... وهذه فريضة ليست كالفرائض يقوم بها الرجل وحده' هذا متى أمر به الرجل وحده اشاط بدمه وعرض نفسه للقتل' فأخاف أن يعين على قتل نفسه(۱)

''اگر ایک آدمی کھڑا ہو اور وہ قتل ہو جائے اور لوگوں کے کسی معاملے کی اصلاح نہ ہو' لیکن اگر وہ صالحین کی ایک جماعت پائے اور اُن پر ایک آدمی نگران ہو جو اللہ کے دین کا امین ہو..... اور یہ فریضہ ہے لیکن اُن فرائض کی طرح نہیں ہے جس میں ایک آدمی اُس کا قائم مقام بن جاتا ہے اور یہ اُس صورت میں ہوگا جب ایک آدمی حکم دے گا اور اپنے خون کی قربانی دے گا اور اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرے گا' پس میں ڈرتا ہوں کہ میں کسی کے قتل میں معاون بنوں۔''

بہرحال! قرونِ اولیٰ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ' حضرت حسن بن صالح بن حی رحمہم اللہ وغیرہ کا مسلک یہ تھا کہ ایسے فاسق حکمرانوں کے خلاف مسلح کارروائی جائز ہے جن کے طرزِ حکمرانی سے شریعت کا استخفاف لازم آتا ہو' لیکن بعد میں فقہاء کرام کا (جن میں حنفی فقہاء بھی

(۱) الجواهر المضية للقرشى، ترجمه ابراهيم بن ميمون الصائغ، ص ٥٠ ج ١

داخل ہیں) اس بات پر تقریباً اتفاق ہوگیا کہ مختلف تجربوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس قسم کی مسلح کارروائیوں کا کبھی کوئی بہتر نتیجہ نہیں نکلا' اس لیے ان سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ حضرت حسن بن صالح ؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الحسن بن صالح) كان يرى السيف يعني كان يرى الخروج بالسيف على أئمة الجور وهذا مذهب للسلف قديم لكن أستقر الأمر على ترك ذلك لما رأوه قد أفضى الى أشد منه ففي وقعة الحرة ووقعة بن الأشعث وغيرهما عظة لمن تدبّر ۔۔۔ والحسن مع ذلك لم يخرج على أحد (۱)

''حسن بن صالح ؒ ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کو جائز سمجھتے تھے' اور یہ سلف کا قدیم مذہب ہے۔ لیکن بعد میں امت کی رائے یہ قرار پائی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے' کیونکہ امت کے علماء نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ مسلح بغاوت پہلے سے زیادہ برے حالات کا سبب بنی ہے' چنانچہ حرہ کے واقعات اور ابن الاشعث کے واقعات میں غور کرنے والے کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ اور حضرت حسن بن صالح ؒ نے بھی اسے (جائز سمجھنے) کے باوجود کسی کے خلاف بغاوت نہیں کی۔''

اور یہی حافظ ابن حجر ؒ صحیح بخاری کی شرح میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن بطال في الحديث حجة في ترك الخروج على السلطان ولو جار وقد أجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وأن طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء وحجتهم هذا الخبر وغيره مما يساعده ولم يستثنوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها(۲)

''علامہ ابن بطال ؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ

(۱) تهذيب التهذيب لابن الحجر، ص ۱۶۳' الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند، الطبعة الأولى، ۱۳۲۶ھ۔

(۲) فتح الباری' کتاب الفتن' باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امور۔۔۔

سلطان' چاہے ظالم کیوں نہ ہو' اُس کے خلاف مسلح بغاوت نہ کی جائے اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو سلطان زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو (جائز امور میں) اُس کی اطاعت بھی واجب ہے' اور اُس کے ساتھ مل کر جہاد بھی مشروع ہے' اور یہ کہ اُس کی اطاعت اُس کے خلاف بغاوت سے بہتر ہے' کیونکہ اس طریقے میں خونریزی سے بچاؤ اور مصیبتوں کا ازالہ ہے۔ اور فقہاء کی دلیل یہی حدیث ہے اور اُس کے علاوہ وہ احادیث جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ اور فقہاء نے اس حکم سے کوئی صورت اس کے سوا مستثنیٰ نہیں کی کہ سلطان سے کفر صریح صادر ہو تو اُس کی اطاعت جائز نہیں بلکہ جن کو قدرت ہو اُن پر جہاد واجب ہے۔''

البتہ امام ابوبکر جصاص ؒ نے آیت قرآنی ''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ'' کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ ؒ کے عمل کی بنیاد پر یہی موقف اختیار فرمایا ہے کہ ایسے فاسق حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت جائز ہے بشرطیکہ اس پر قدرت ہو اور اُس سے کوئی بڑا مفسدہ لازم نہ آئے۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ نااہل اور فاسق حکمرانوں کی حکومت شرعاً معتبر ہی نہیں ہے اور نہ اُن کے احکام واجب التعمیل ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے فقہاء کرام نے جمہور امت کا وہی موقف اختیار کرلیا جو اوپر حافظ ابن حجر ؒ نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی ؒ ایک مسئلے کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وبهذا اللفظ يستدل من يزعم أن الحاكم ينعزل بالجور وليس هذا بمذهب لنا، وقد بيّنا ذلك فيما أملينا من شرح الزيادات في باب التحكيم (۱)

''اس سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حاکم ظلم کی وجہ سے معزول ہو جاتا ہے' لیکن یہ ہمارا مذہب نہیں ہے' اور یہ بات ہم نے زیادات کی جو شرح املاء کرائی ہے' اُس کے باب التحکیم میں وضاحت سے بیان کی ہے۔''

سیاسی تحریکیں

ایک دوسرا مسئلہ بھی یہاں قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ جن صورتوں میں خروج ناجائز ہے' ان میں حکومت کی تبدیلی' حکومت سے کوئی جائز مطالبہ منوانے یا اُس سے اپنے حقوق حاصل کرنے کا پُرامن طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟ اور ان اغراض کے لیے آج کل کی سیاسی تحریکوں میں ہڑتال' بھوک ہڑتال' جلوس وغیرہ کے جو طریقے رائج ہیں' شرعی اعتبار سے وہ کس حد تک جائز ہیں؟

(۱) شرح السير الكبير لسرخسي' باب من الاستئجار في أرض الحرب ۔۔۔

صورتحال یہ ہے کہ آج کل ہماری زندگی کا سارا ڈھانچہ‘ بالخصوص سیاسی زندگی کا ڈھانچہ‘ پچھلی چند صدیوں میں مغربی افکار کی بنیاد پر تعمیر ہو رہا ہے‘ اس لیے بہت سی باتیں سیاسی زندگی کا لازمی حصہ سمجھ لی گئی ہیں‘ انہی میں سے احتجاج کے یہ طریقے بھی داخل ہیں۔ یعنی ہڑتالیں‘ جلوس‘ توڑ پھوڑ وغیرہ جن کے ذریعے حکومت کا پہیہ جام کر کے اس کو بالآخر اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مطالبات تسلیم کر لے۔

اس قسم کی سیاسی تحریکوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ ان میں سے یا کوئی بھی ایسا طریقہ جس سے کسی کی جان‘ مال یا آبرو پر حملہ کیا جاتا ہو یا سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہو‘ کیونکہ سرکاری املاک درحقیقت حکمرانوں کی نہیں بلکہ ملک کے تمام باشندوں کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے اور اُنہیں نقصان پہنچانے سے پوری قوم کا حق پامال ہوتا ہے اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی معافی بہت مشکل ہے‘ کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جن کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ صاحب حق کا معاف کرنا ضروری ہے اور سرکاری املاک میں صاحب حق پوری قوم ہوتی ہے اور انسان کے لیے یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ وہ قوم کے ہر ہر فرد سے معافی مانگے۔ اس لیے ایسی املاک کو نقصان پہنچانے کا معاملہ شخصی املاک سے زیادہ سنگین ہے۔

جہاں تک عام ہڑتال کا تعلق ہے تو فی نفسہٖ اس کا حکم یہ ہے کہ حکومت کے کسی عمل پر ناراضگی یا احتجاج کے اظہار کے لیے اگر لوگوں سے یہ اپیل کی جائے کہ وہ اپنا کاروبار بند رکھیں اور اس پر عمل کرنے کے لیے کسی شخص پر کوئی جبر نہ کیا جائے تو تنہا اس اپیل میں یا اس اپیل پر خوش دلی سے عمل کرنے میں شرعاً کوئی گناہ نہیں۔ ایسی ہڑتال ایک مباح تدبیر کے درجہ میں فی نفسہٖ جائز ہے‘ بشرطیکہ اس میں ایسے استثناء بھی رکھے جائیں جو انسانوں کے لیے ضروری ہیں‘ مثلاً مریضوں کا علاج وغیرہ۔ لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ ہڑتال کروانے والے اتنی بات پر بس نہیں کرتے بلکہ ہڑتال کا لازمی حصہ یہ ہے کہ ہڑتال کروانے والے لوگوں کو اپنا کاروبار بند کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر کوئی گاڑی چلا رہا ہے تو اس پر پتھراؤ کیا جاتا ہے‘ راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں‘ اور اگر کوئی شخص ہڑتال میں حصہ نہیں لے رہا ہے تو اس کو کم از کم غم وغصہ کا نشانہ بنایا جاتا ہے یا اسے زبردستی ہڑتال میں شریک ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے یا اُس پر تشدد کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے اقدامات شرعاً بالکل حرام ہیں۔ ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب لوگ جو روز کے روز اپنی روزی کماتے ہیں وہ اپنی روزی سے محروم ہو جاتے ہیں‘ بہت

سے مریض علاج نہ ملنے کی وجہ سے سختیاں جھیلتے ہیں اور بہت سے تو موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ اور یہ عجیب قصہ ہے کہ ایک طرف جمہوریت اور آزادیٔ اظہارِ رائے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور دوسری طرف جو شخص اس ہڑتال میں حصہ نہیں لینا چاہتا اس کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع دینے سے انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بات نہ تو اسلام کے مطابق ہے اور نہ یہ اخلاق اور آزادیٔ اظہارِ رائے کے اصول کے مطابق ہے۔ عام طور سے آج کل کی ہڑتالیں ان امور سے خالی نہیں ہوتیں۔ ایسی ہڑتال جس میں ہڑتال کی اپیل کرنے والے شرافت کے ساتھ لوگوں سے اپیل کر کے بیٹھ جائیں کہ جو چاہے دکان کھولے اور جو چاہے نہ کھولے‘ ایسی شریفانہ ہڑتال آج کل کے ماحول میں تقریباً نایاب ہے‘ اور جب کسی مباح کو ناجائز امور کا ذریعہ بنا لیا جائے تو سدِ ذریعہ کے طور پر اس کو ممنوع ہی کہنا چاہیے اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہو۔ اس لیے ہڑتال کی یہ تدبیر جس میں توڑ پھوڑ اور امن وامان میں خلل اندازی اور لوگوں کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہو شرعی تدابیر کے تحت نہیں آتی۔ اور جب سیاست بذاتِ خود مقصود نہیں‘ مقصود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے تو اس صورت میں تدبیر بھی وہ ہی اختیار کرنی چاہیے جو شریعت کے مطابق ہو‘ جس میں شریعت کی کوئی خلاف ورزی لازم نہ آئے‘ ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ اسلام کے احکام توڑ توڑ کر اسلام نافذ کرنے کی تحریک چلائی جاتی ہے۔

جلوسوں کا مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر ان سے لوگوں کو غیر معمولی تکلیف نہ پہنچے تو وہ فی نفسہٖ جائز ہیں‘ لیکن عام طور سے ان میں بھی توڑ پھوڑ اور عوام کے لیے مشکلات پیدا ہونا ایک لازمی حصہ بن گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس پہلو کو جائز نہیں کہا جا سکتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شریعت میں حکومت پر دباؤ ڈالنے کا اور کوئی طریقہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ حقیقت میں شریعت نے ایک راستہ ایسا تجویز کیا ہے کہ اگر قوم اس پر عمل کر لے تو بڑی سے بڑی جابر حکومتوں کے گھٹنے چند گھنٹوں میں ٹکوائے جا سکتے ہیں اور وہ راستہ یہ ہے کہ اس اصول پر عمل کیا جائے کہ:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ))(۱)

’’خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔‘‘

جب ایک مرتبہ یہ اصول مان لیا جائے کہ کسی مخلوق کے حکم پر خالق کی نافرمانی نہیں کی جا سکتی تو جتنے غیر اسلامی احکام نافذ ہیں‘ ساری قوم اگر ان میں شرکت سے انکار کر دے تو اندازہ کیجئے

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی‘ ح:۹۹۰۳‘ عن عمران بن الحصین

کہ حکومت کے پاس کیا چارۂ کار رہ جاتا ہے؟ فرض کیجئے کہ عدالتوں میں بیٹھنے والے جج اگر یہ کہہ دیں کہ جب تک ہمیں شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کا اختیار نہیں دیا جاتا' اُس وقت تک ہم عدالتوں میں کام نہیں کریں گے اور وکلاء یہ کہہ دیں کہ جب تک قوانین شریعت کے مطابق نہیں ہوجاتے ہم عدالتوں میں بحیثیت وکیل کے پیش نہیں ہوں گے' اگر بینک کے ذمہ دار اور بینک کے ملازمین یہ کہہ دیں کہ جب تک بینکاری کا نظام سود سے پاک نہیں ہوجاتا' ہم بینکوں میں کام نہیں کریں گے' اور اگر عوام یہ کہہ دیں کہ جب تک بینکوں کا نظام سود سے پاک نہیں ہوجاتا' اُس وقت تک ہم بینکوں میں پیسے نہیں رکھوائیں گے' اور تاجر یہ کہہ دیں کہ جب تک بینک سود سے پاک نہیں ہوجاتا' اُس وقت تک ہم اس سے تمویلی معاملات نہیں کریں گے۔ اگر "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ" کی بنیاد پر' جو ان کی شرعی ذمہ داری ہے' سارے عوام مل کر غیر شرعی احکام کی تعمیل سے انکار کردیں تو آپ ذرا تصور کریں کہ جس دن یہ ہڑتال ہوگی' اُس دن چند گھنٹوں میں حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائے گی۔

یہ شرعی ہڑتال ہے' لیکن چونکہ اس میں اپنے مفادات کو تھوڑا سا قربان کرنا پڑتا ہے' اس لیے اس کی وجہ سے تھوڑی سی دشواری ہے۔ یہ بات تو بڑی آسان ہے کہ ایک آدمی سود کھا رہا ہو اور پھر کسی سیاسی جماعت کے جلوس میں اسلام کے نعرے بھی لگا رہا ہو' اور یہ بھی آسان ہے کہ غیر اسلامی قوانین کے تحت فیصلے بھی کر رہا ہو اور ان کی بنیاد پر وکالت بھی کر رہا ہو' لیکن جب جلوس نکلے تو اس میں شامل ہوکر اسلام زندہ باد کے نعرے بھی لگائے اور ہڑتال بھی کردے۔ لیکن یہ بات کہ اپنے وکالت یا قانون دانی یا بینکنگ یا اکاؤنٹس وغیرہ کے پیشے کو بطور ہتھیار کے استعمال کرے اس کے لیے تھوڑی سی قربانی دینے اور تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔

یہ درست ہے کہ یہ طریق کار اُسی وقت مؤثر اور مفید ہوسکتا ہے جب عوام کی اکثریت یا اُن کی اتنی بڑی تعداد اس کے لیے تیار ہو جس کا وزن یا دباؤ محسوس کیا جاسکے اور اس کے لیے ذہن سازی اور لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ایک مرتبہ یہ نکتہ ذہن نشین ہوجائے اور سیاسی جماعتیں اس طریق کار پر دل سے راضی ہوکر اُسے قبول کرلیں تو ان کو اس کے لیے منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔ ذہن سازی کا ایک وسیع پروگرام مرتب کرنا ہوگا اور اس غرض کے لیے تعلیمی اداروں سے لے کر عوامی اجتماعات تک ایک مہم چلانی ہوگی جس سے پہلے لوگوں کا یہ ذہن بنایا جائے کہ غیر شرعی کاموں میں تعاون کرنے والے ملازمین دنیا اور آخرت

دونوں کے لیے کس قدر مضر اور بے برکت ہیں اور رزق حلال حاصل کرنا ایک مسلمان کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ جب عوام کی بھاری تعداد کا ذہن ایسی ملازمتوں سے اس قدر نفرت کرنے لگے کہ وہ اسے چھوڑ کر کم پر گزارا کرنے پر راضی ہوجائیں' بلکہ اس کے لیے دوسری قربانیاں دینے کے لیے بھی تیار ہوں' تب یہ مہم اتنی مؤثر اور کامیاب ہوسکتی ہے جتنی کوئی اور ہڑتال کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ پاکستان اور دوسرے ملکوں میں مختلف فوجی حکمرانوں نے کتنی مرتبہ ملک کا دستور توڑا۔ ہر مرتبہ وہ اس لیے کامیاب ہوئے کہ عدالت کے ججوں نے اُن کے اقدامات کو سند جواز دے دی۔ البتہ ہر مرتبہ کچھ جج ایسے تھے جنہوں نے دستور کے خلاف کسی اقدام کو ماننے سے انکار کیا اور اپنی ملازمت کو قربان کردیا۔ ایسے جج صاحبان کو کچھ قربانی ضرور دینی پڑی لیکن قوم نے ان کو آنکھوں پر بٹھایا' اور یہ کہا کہ دوسرے ججوں کو بھی ان کی تقلید کرنی چاہیے تھی اور اگر وہ ایسا کرتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ دستور کو توڑ سکتا (اور جنرل مشرف صاحب کے دور میں آئین کو پامال کرنے کے خلاف ججوں کی ایک بڑی تعداد متفق ہوگئی تو بالآخر کامیابی اُنہی کو حاصل ہوئی)۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارا بنیادی آئین قرآن وسنت ہے۔ اگر اُس کے تحفظ کے لیے قوم میں وہی جذبہ بیدار ہوجائے تو "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" کا یہ اصول پرامن احتجاج کا بہترین اور مؤثر ترین طریقہ ہوسکتا ہے۔

سیاسی جدّوجُہد اور اصلاحِ نفس

یہاں یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ اسلام میں سیاسی جدوجہد کا اصل مقصود اقتدار نہیں بلکہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر نظامِ حکومت کی اصلاح اور اُس کو اللہ کے احکام کے مطابق بنانا ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو فرد یا جماعت یہ جدوجہد کر رہی ہے وہ بذاتِ خود اقتدار پر قابض ہوکر نظامِ حکومت کی اصلاح کرے' بلکہ یہ مقصد موجودہ حکمرانوں سے یا کسی اور فرد یا جماعت سے حاصل ہوسکتا ہے تو خود اقتدار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس قسم کی جدوجہد کے لیے ضروری ہے کہ جدوجہد کرنے والوں کے دل میں مکمل اخلاص ہو اور وہ حُبِّ جاہ اور طلب مناصب کے جذبے سے پاک ہوں۔ لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ جب لوگ اس قسم کی جدّوجُہد میں شامل ہوتے ہیں تو یہ میدان ہی ایسا ہے کہ اس میں شہرت' عوام میں مقبولیت اور حُبِّ جاہ کے نفسانی جذبے شامل ہوجاتے ہیں۔ پھر انسان اصل مقصد کو بھول

کراس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ میرے کس عمل سے مجھے عوام میں مقبولیت حاصل ہوگی اور کس کام کا مجھے کریڈٹ ملے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیاسی تحریکات کے قائدین بھی عوام کی صحیح راہنمائی کرنے کے بجائے اُن کی خواہشات کے پیچھے چلنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے فیصلے ملک وملت کی حقیقی فلاح و بہبود کے بجائے اس بنیاد پر کرنے لگتے ہیں کہ عوام کے جذبات کو کس طرح خوش رکھا جائے۔ یہ وہی فتنہ ہے جو سیکولر جمہوریت کا خاصہ ہوتا ہے' اسلامی ریاست کا نہیں۔ اور جب نیت ہی شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کی ہو تو تمام تحریکات کا قبلہ غلط ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ سیاسی تحریکات کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اپنے آپ کو روحانی تربیت کے مراحل سے گزار چکے ہوں اور اپنے آپ کو حبِ جاہ اور شہرت ومقبولیت کی فکر سے بڑی حد تک آزاد کر چکے ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو دیکھئے کہ اُس کے دو حصے ہیں' مکی زندگی اور مدنی زندگی۔ مکی زندگی کے تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں کہ نہ تو ان میں جہاد ہے' نہ ان میں حکومت ہے اور نہ ان میں سیاست ہے۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ دوسرا مار رہا ہے تو پٹ جاؤ "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ" ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر کا یہ حکم کہ ظلم کے جواب میں ہاتھ نہ اٹھاؤ' یہ صرف اس وجہ سے نہیں تھا کہ مسلمان اُس وقت کمزور تھے' کیونکہ کمزور تو مدینہ میں بھی کچھ کم نہیں تھے۔ اگر ۳۱۳ نہتے جن کے پاس صرف آٹھ تلواریں اور دو گھوڑے تھے وہ اگر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کر سکتے تھے تو یہاں بھی کم از کم اتنا کر سکتے تھے کہ اگر دوسرے نے دو ہاتھ مارے ہیں تو کم از کم ایک ہی ہاتھ مار دیں۔ اتنے کمزور تو نہیں تھے کہ ایک ہاتھ بھی نہ مار سکیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف ضعف کی وجہ سے نہیں تھا' بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پورے تیرہ سال کے دوران افراد سازی ہو رہی تھی' انسانوں کے اخلاق بنائے جا رہے تھے' ان کے کردار کی تعمیر ہو رہی تھی اور ان کے دلوں کو حُبِّ جاہ' حُبِّ مال اور دوسری نفسانی بیماریوں سے پاک کیا جا رہا تھا' ان کے دلوں میں فکرِ آخرت کی آبیاری کی جا رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جب انسان سیاسی جدوجہد کے لیے نکلتا ہے تو یہ میدان بڑا پُر خار ہے۔ اس میں حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال کے فتنے انسان کو پھنسا دیتے ہیں۔ اس لیے پہلے ان کا کردار بنایا گیا' ان کے دل میں فکرِ آخرت کی آبیاری کی گئی اور ان کے دلوں میں تقویٰ راسخ کیا گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان رذائلِ

اخلاق سے پاک کر دیا تو مدینہ طیبہ میں ایسی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا جو روئے زمین پر اس سے پہلے کسی نے دیکھی تھی اور نہ بعد میں کوئی دیکھ سکا۔ لیکن ایسی ریاست کے لیے تیرہ سال صبر سے کام لیا گیا اور اس میں افراد کا کردار تعمیر کیا گیا۔

لہٰذا جو حضرات اُمت کی سیاسی قیادت کا بیڑا اٹھائیں' ان کے لیے خاص طور پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو روحانی تربیت کے مراحل سے اس طرح گزار چکے ہوں کہ اُن کے دل اخلاقِ فاضلہ سے معمور ہوں اور جب جاہ ومنصب' شہرت کی ہوس اور عوامی مقبولیت کے شوق سے اپنے آپ کو پاک کر چکے ہوں' یا کم از کم ان نفسانی جذبات کو اتنا مغلوب کر چکے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے مقصد نے ان جذبات کو اچھی طرح قابو میں کر لیا ہو۔ یہی ''اسلامی سیاست'' کی اصل منزل ہے جو اُن نفسانی رہزنوں سے نجات حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

نوٹ: عربی حوالہ جات کی تخریج ازسرِنو کی گئی ہے۔ (ادارہ)

❁❁❁

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے

اشاعتِ عام: 35 روپے

دُنیوی زندگی کی حقیقت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

انسان کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی صلاحیتوں سے نواز کر دوسرے جانداروں سے ممتاز کیا۔ اس شرف و امتیاز کے بدلے میں اسے اپنے خالق و مالک کی اطاعت کا حکم دیا اور نیک و بد کی پہچان کا مکلّف ٹھہرایا۔ دنیا کی زندگی میں جا بجا دکھ اور درد بھی ہیں مگر راحت و آسائش کے سامان بھی ہیں۔ پھر شیطانی طاقتوں کو بھی پھلنے پھولنے اور انسانوں کو دنیوی نعمتوں کے حصول میں مگن کرنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح انسان اس زندگی میں سراسر ابتلاء و آزمائش میں ہے۔ ہاں اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو بدلے میں حیاتِ جاودانی ملے گی جو ایسی نعمتوں سے بھرپور ہوگی جس کا آج کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا' جبکہ ناکام ہونے والوں کو خالق و مالک کے غضب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

اس جہان میں جہاں شیطانی طاقتیں لوگوں کو گمراہ کرنے میں سرگرم ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو انبیاء و رسل بنا کر بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی رضا والے کام کرنے کی تلقین کریں اور طاغوتی طاقتوں کی پیروی کرنے کے انجامِ بد سے خبردار کریں۔ چونکہ دنیوی چمک دمک نقد سودا ہے اس لیے انسان کا اس کی طرف لپکنا بڑا آسان ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے دنیا کی حقیقت اچھی طرح سے واضح کر کے انسان کو سچی کامیابی سے آگاہ کر دیا ہے۔ آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں تو یہ مضمون مختلف پیرائے میں متعدد مرتبہ دہرایا گیا ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ حیاتِ دنیوی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ

وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾﴾ (الحدید)

''جان رکھو دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے ..... اور دنیا کی زندگی تو محض متاعِ فریب ہے۔''

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾﴾

''ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے' اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا' تو جو شخص جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا' اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کی رضا والے کام بھی بتا دیے اور ان کاموں سے بھی خبردار کر دیا جو اُس کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ پس جن لوگوں نے نقد منافع کو چھوڑ کر حق کی آواز کو قبول کیا وہ حقیقت میں کامیاب قرار دیے گئے۔ ان کے ساتھ حیاتِ اُخروی میں انعامات کا وعدہ کیا گیا' جبکہ باطل پر اَڑ جانے والوں اور سفلی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔ یہ اس لیے کہ قرآن مجید میں واضح کیا گیا ہے کہ انسان دنیا کی زندگی میں سراسر امتحان میں ہے اور جو امتحان میں ہو اس کی نظر امتحان کے نتیجہ پر لگی ہونی چاہیے۔ پس نتیجہ کے بارے میں فکرمند شخص دُنیوی زندگی میں محتاط طرزِ عمل اختیار کرے گا۔ یہ بات عین منطقی بھی ہے کہ حسن اخلاق' ہمدردی اور نیکی کا رویہ اختیار کرنے والے کو انجام کار انعام ملنا چاہیے' جبکہ بداخلاق چور' ڈاکو اور خائن کو اس کے جرائم کی سزا ملنی چاہیے' مگر ایسا اس دنیا میں نہیں ہو رہا۔ یہاں بروں کا رسہ عموماً دراز ہے اور اخلاقی اقدار کو اپنانے والے اور رزقِ حلال تلاش کرنے والے عموماً طرح طرح کی مشکلات میں ہیں اور ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اگر کہیں بھی انصاف نہ ملے تو کائنات کا یہ نظام بالکل فضول ٹھہرتا ہے' جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں' وہ تو الحکیم ہے۔ اس کی حکمت اتنی عظیم ہے کہ انسانی دماغ اس کے اکثر کاموں کی حکمت نہیں جان

سکتا۔ بے آباد علاقوں کے پھولوں اور جنگل کے درختوں کے پھلوں کی حکمت' بعض موذی جانوروں مثلاً مکھی' مچھر وغیرہ کی تخلیق کی غایت انسانی فکر سے بالاتر ہے' حالانکہ اللہ نے کسی شے کو بے مقصد (فضول) پیدا نہیں کیا۔ وہ خود فرماتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ﴾ (صٓ:۲۷)

''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بلا مقصد پیدا نہیں کیا۔''

اور پھر حق پرست لوگ اپنی دعا میں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۹۱﴾ (آل عمران)

''اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ (سب کچھ) بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے!''

یعنی تیری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے لاتعداد ایسی ہیں جن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ پس ہماری اس بے خبری پر ہماری گرفت نہ کرنا۔

دنیا کی تمام چیزیں بنی نوع انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ﴾ (البقرۃ:۲۹) ''اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں ہے سارے کا سارا تمہارے لیے پیدا کیا ہے''۔ سورج' چاند' ستارے' رات' دن' دریا' سمندر' مویشی' باربردار جانور سب انسان کی خدمت کر رہے ہیں۔ جب زمین پر انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا تو یہ چیزیں بھی ختم کر دی جائیں گی۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے مگر ان کے خالق کو نہ بھولے' اسی طرزِ عمل کو اللہ کا ذکر کہا گیا ہے۔ پھر ان چیزوں کا فائدہ اس طرح اٹھایا جائے جو اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔

انسان کو دنیوی زندگی میں کام آنے والی تمام چیزیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ یہ چیزیں خوب سے خوب تر ہیں۔ انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ضرورت کی چیزوں کو استعمال کرے مگر سلیقے کے ساتھ۔ ان چیزوں کی حسن و خوبی میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کشش رکھی ہے۔ اور یہی انسان کا امتحان ہے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے یا دنیا کی چمک دمک اور نقد فوائد میں نتائج کو بھول جاتا ہے۔ اس بات کی بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ تم دنیا کی اس زندگی میں بامقصد برپا کیے گئے ہو۔ تمہارے یہاں کے اعمال تمہاری اگلی زندگی میں تمہیں فائدہ دیں گے یا تمہیں عذاب کا مستحق بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ (الملک:۲)

''(اللہ تعالیٰ نے) موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

دنیوی زندگی لطف اٹھانے کے لیے نہیں' بلکہ یہ وہ وقفہ ہے جس میں محنت کر کے انسان نے اگلی ناختم ہونے والی زندگی بنانی ہے۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے: ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے' نہ ناری ہے!

زندہ انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے معاشی جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ دن اسی لیے بنایا گیا ہے کہ انسان اس میں روزی کمانے کا کوئی پیشہ اختیار کرے۔ مگر اس کام میں مشغول اس طرح نہ ہو جائے کہ بس اسے دنیا کی زندگی سنوارنے ہی کی فکر لگی رہے' بلکہ روزی کی اس تگ و دو میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ہرگز نہ بھولے۔ جو کام بھی کرے وہ جائز ہو۔ مثال کے طور پر دکاندار ہے تو تول پورا رکھے' ملاوٹ نہ کرے' بیچتے وقت چیزوں کے عیب نہ چھپائے' گاہک کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اسی طرح ملازم ہے تو اپنے فرائض کو پوری دیانت داری سے ادا کرے۔ ذمہ داری اور دیانت داری سے کام کرے' رشوت نہ لے۔ علیٰ ہذا القیاس جو بھی ذریعہ آمدن اختیار کرے اس میں اللہ کے احکام کو یاد رکھے۔ اگر ایسا کرے گا تو روزی کمانے کی یہ جدوجہد اس کے لیے قدم قدم پر ثواب کا باعث ہوگی اور یہی اس کا امتحان ہے۔

اس زندگی میں اللہ کو یاد رکھتے ہوئے معاشی جدوجہد کرنے والے کے شب و روز بھی درست ہو جائیں گے۔ وہ جھوٹ نہیں بولے گا' وعدہ خلافی نہ کرے گا' کسی بھی انداز سے دوسرے انسانوں کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ گویا وہ ایک اچھا انسان بن جائے گا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ امن میں رہیں گے۔ مگر آزاد اور نفسانی خواہشات کے پیچھے لگنے والے خدا فراموش لوگ انتہائی گھاٹے میں رہیں گے۔ جب انہیں ان کے اعمالِ بد کی سزا ملے گی اور وہ آگ میں ڈالے جائیں گے تو وہاں واویلا کریں گے کہ ہمیں دوزخ سے ایک دفعہ باہر نکال دیجیے اور پھر دنیا والی زندگی عطا کر دیجیے' ہم اچھے کام کریں گے اور صالح انسان بن جائیں گے۔ مگر اُس وقت کا ان کا یہ واویلا ہرگز نہ سنا جائے گا' بلکہ کہا جائے گا کہ یہ بدلہ ہے تمہارے ان اعمال کا جو تم نے یادِ خدا سے غفلت کر کے کمایا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ (السجدۃ)

''اور اگر آپ مجرموں کو دیکھیں جس وقت وہ اپنے پروردگار کے سامنے سر ڈالے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے اے ہمارے ربّ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا پس ہم کو پھر واپس (دنیا میں) بھیج دے تو ہم بھلے کام کریں گے' اب تو ہمیں یقین آ گیا ہے۔''

غرض اس زندگی کو ہی مقصود بنا لینا اور اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی پروانہ کرنا نری جہالت ہے۔ اس بات کو قرآن مجید میں بارہا دہرایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی محض دھوکا ہے۔ یہاں کا فائدہ حقیقی فائدہ نہیں اور یہاں کا نقصان حقیقی نقصان نہیں ہے۔ اس زندگی کے مفاد کے حصول میں خدا فراموش زندگی گزارنا خسارے کا سودا ہے۔ ایک دن موت کا آئے گا جب یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور دوسری اور حقیقی زندگی شروع ہو جائے گی' پھر انجام سے بے خبر زندگی گزارنا کسی طور پر جائز نہیں۔

ایک شخص دوسرے شخص کا مال غصب کر لیتا یا چوری کر لیتا ہے۔ جس کا مال گیا وہ پریشان ہوا اور جس نے مال لوٹا وہ بڑا خوش ہوا۔ دونوں اس دنیا سے چلے جائیں گے اور قیامت کے روز اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انصاف فرمائیں گے اور چور کو حکم دیں گے کہ اس کا مال واپس کرو تو وہ کہاں سے کرے گا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرتے ہوئے مال کے بدلے چور کی نیکیاں حق مانگنے والے کو دیں گے۔ اب مالک تو خوش ہوگا کہ اسے شدید ضرورت کے وقت نیکیاں مل گئیں اور چور پریشان ہوگا کہ اسے دنیا میں چرائے ہوئے مال کے بدلے نیکیاں دینی پڑیں اور عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی واقعی متاعِ غرور یعنی دھوکے کا سودا ہے۔ بقول اقبال: ؎

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریب سود و زیاں! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

دنیا کا پریشان حقیقی پریشان نہیں اور نہ دنیا کا آسودہ حقیقت میں آسودہ ہے۔ آسودہ تو وہ ہے جس نے دنیا کی زندگی میں نیک کام کیے' اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پر عمل کیا' کسی کا حق غصب نہ کیا' بلکہ دنیا کی زندگی اگلی زندگی کی تیاری میں گزار دی۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

انسان اور قوّتِ تسخیر

سجاد مسعود قریشی

آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی! (اقبال)

تمدنی حیات کی ابتدا کرۂ ارض پر بڑے مہذّبانہ انداز میں ہوئی' کیونکہ تہذیب وتمدن کو متعارف کروانے والے اللہ عزوجل کے ایک چہیتے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا بدتہذیبوں کا دور دورہ شروع ہوگیا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انسانی شعور ابھی تدبّر اور تجربات سے نہ گزرا تھا' بلکہ حیرت کی کیفیات میں تھا۔ اس کا فطری تجسّس تو اسے اُکسا رہا تھا کہ ؎

کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ (اقبال)

لیکن شعور اور فکرِ معاش نگاہِ شوق کے ہم قدم نہ ہوسکے۔ یہ محض انسانی عاجزی اور لاچاری نہ تھی بلکہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے اس پیکرِ خاکی کے لیے یہی مقدر فرمایا تھا۔

چونکہ جانور انسان سے پہلے زمین پر آباد کر دیے گئے تھے' لہٰذا ان کی تجربہ کاری اور بے پناہ قوت واستعداد سے انسان متاثر ومستفید ہوتا رہا' لیکن ارتقاءِ حیات کی ایک نہج پر انسان کو اپنی شعوری برتری کا احساس شروع ہوگیا۔ آج وہ انسان' جس کا ارتقاءِ حیات جہالت سے شروع ہوا تھا' پے در پے ستاروں پر کمند ڈال رہا ہے۔ آج کائنات کی ہر شے اس کی دسترس میں نظر آتی ہے۔ اس کا تصرف سائنسی معجزوں کو جنم دے رہا ہے۔ آج بالفعل آشکار ہو چکا ع

''کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں!'' (اقبال)

یہ سب کچھ صرف اسی لیے ممکن ہوا کہ اللہ ربّ العزت نے اپنے فضل وکرم کی انتہا اس مسجودِ ملائک پر فرما دی تھی۔ اگر اللہ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم انسان کو تجسس' شعور اور قوتِ تسخیر عطا

نہ فرماتا تو یہ ظَلُوْمًا جَھُوْلاً 'ناشکرا اور بے قدر انسان حیات وممات کی اس غریب تر دنیا میں یہ کامرانیاں حاصل نہ کرتا۔ یہاں دو باتوں کو ایک ساتھ سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ایک طرف اس قوتِ تسخیر کو سمجھا جائے جس کی بدولت انسان یہاں تک پہنچا اور دوسرا یہ کہ تمدن پرستی کا یہ پیکر انسان اپنے ربّ کریم کا کس قدر ناشکرا ہے۔

قرآن مجید میں انسانی تعارف نہایت فکر انگیز اور معنی خیز ہے' لہٰذا فکر وتدبر اور شعوری تجزیات کی انجام دہی کے لیے انسان کی عملی جستجوؤں اور کامرانیوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ یقیناً یہ بھی برمحل ہوگا اگر ہم تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت انسان کی فرشتوں پر علمی' عقلی اور منطقی برتری کو بھی ذہن میں رکھیں۔ قرآن حکیم میں ایک طرف تو اللہ احسن الخالقین نے انسان کا تعارف یوں کروایا: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾﴾ (النساء) ''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطری اور طبعی بے بسی اور لاچاری کی نشاندہی فرما دی کہ اس کی ذات میں ضعف ہے۔ یہاں یہ بات اپنے ذہنوں میں راسخ فرمالیں کہ قرآنی آیاتِ کریمہ فارمولوں کی صورت کام کرتی ہیں۔ فارمولے میں جس تناسب سے ردوبدل کیا جائے گا نتیجہ خیزی عین اسی کے مطابق ہوگی اور اسی طور اس کے اثرات معاشروں پر مرتب ہوں گے۔

گردشِ زمانہ کے ہر دور کو ذہن میں رکھ کر شعوری مشاہدہ اور تجزیہ کریں تو فوراً یہ آشکار ہوجائے گا کہ انسان کا فطری وطبعی ضعف کیا ہے۔ ایک مکھی سے عاجز آجاتا ہے۔ نیند کا غلبہ اسے بے بس کر دیتا ہے۔ ذرا بھوک لگنے پر بے صبرا ہوجاتا ہے۔ سستی اور غفلت کو اپنے اوپر مسلط کرلے تو اسفل سافلین کا روپ دھار کر اپنی آخرت بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ایک بھڑ ڈنگ مار دے تو بے قرار ہوجاتا ہے۔ معمولی سے نقصان کے خدشے پر ہی واویلا مچانے لگتا ہے۔ شیطان فقر وفاقہ سے ڈرا دے تو دولت کے انبار اکٹھے کرنے لگ پڑتا ہے۔ معمولی بخار اسے معذورِ محض بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اگر رائی کے دانے کے برابر پتھر (پتھری) اس کے کسی باطنی عضو میں نشوونما پا جائے تو اس کی تمام قوتیں اور توانائیاں منجمد ہوجاتی ہیں۔ الغرض بلاشک وشبہ انسان بہت سی کمزوریوں کا مرکب ہے۔ لیکن اس ضعف سے قطع نظر جب ہم انسانی زندگی کے کمال وعروج کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی ہر کامرانی انسانی علم وہنر کا ایک بے نظیر کرشمہ دکھائی دیتی ہے اور یہ اسی لیے ممکن ہوا کہ اللہ قویّ المتین نے زمین وآسمان کی ہر ہر شے کو اس انسانِ ناتواں کے تصرف میں دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الجاثیۃ)

''اور اُس نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ بے شک اس میں دلائل ہیں اُس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے۔''

سب سے پہلے تو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ زمین و آسمان کی ہر شے کا انسان کے لیے مسخّر کیا جانا ربِّ کریم کا انسان پر وہ احسانِ عظیم ہے کہ اگر جمیع انسانیت ہر ہر سانس پر سجدۂ شکر بجالائے اور خون کی ایک ایک بوند اس کے لیے قربان کر دے تو بھی رتی برابر حق ادا نہیں ہوتا رب الرحمٰن کا۔

''تسخیر'' کے لغوی معنی ہیں: قابو پانا' فتح پانا' دسترس حاصل کرنا اور تصرف رکھنا یا سادہ سا مفہوم یہ بھی ہے کہ کسی شے کو اپنے بس میں کر لینا اور اپنی خواہشات اور مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر قدرت رکھنا۔

ایک اور نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ انسانی قوتِ تسخیر کو حکمت خداوندی کے تناظر میں دیکھنا پڑے گا۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ قوتِ تسخیر تو انسان کے پاس روزِ اوّل ہی سے تھی تو پھر اس نے ہوائی جہاز' ٹرین' موٹر گاڑیاں' فون' کمپیوٹر وغیرہ قرونِ اولیٰ میں ہی کیوں نہ بنا لیں! اسی معاملے کا ایک اور حکیمانہ پہلو یہ بھی ہے کہ انسان یہ سب کچھ ابتدائے حیاتِ ارضی میں ہی بنا لیتا' لیکن ایسا کیوں نہ ہوا؟ اس لیے کہ انسان اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک ہے اور اسے اپنی ذات میں چھپی ہوئی کائنات کو بھی کھوجنا اور دریافت کرنا تھا۔ بقول اقبال: ؎

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سِرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا!

انسان کے سامنے حقیقی چیلنج بھی یہی ہے۔ بقول اقبال ؎

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے!

مذکورہ بالا سوالات کا حکیمانہ اور مدبرانہ جواب یہ ہے کہ انسان کی قوت' استعداد اور صلاحیت محدود ہے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ کرۂ ارض پر حیاتِ انسانی کو ارتقائی مراحل اور تمدنی تغیرات سے گزرنا ہے اور انسان علومِ خداوندی کا احاطہ مشیت خداوندی کے تحت تدریجاً ہی کر سکتا ہے۔ یہ ارتقائی تغیّر و تبدّل اس دنیا کے لیے ناگزیر ہے' بقول اقبال ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں!

خلیفۃ اللہ اور قوتِ تسخیر

اللہ احسن الخالقین نے انسان کو اپنا خلیفہ / نائب بنا کر انسان پر اپنی رحمتوں' برکتوں اور فضل و کرم کی انتہا فرما دی اور دوسری طرف انسان نے ظلم' جہالت' ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی انتہا کر دی۔ خالق کائنات نے انسان کو اپنا نائب مامور فرما کر اسے جمیع مخلوقات پر شرف و فضیلت سے نواز دیا لیکن یہ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا اتنی بھی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ اپنی اس افضل و ارفع حیثیت کا علمی اور شعوری احاطہ کرنے کی سعی ہی کر لے۔

لیکن بہر حال ہمیں غور و فکر کرنا ہوگا کہ ایک زمان و مکان کا پابند انسان زمان و مکان کی قید سے مطلقاً آزاد ربّ العالمین کا نائب کیونکر ہو سکتا ہے! روئے زمین پر انسان نے اجتماعی طور پر جس سب سے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا وہ یہی ہے کہ اس نے کبھی بھول کر بھی اپنی نیابتِ الٰہی کا شعوری احساس نہ کیا۔ اگر ہم حیاتِ ارضی کے تناظر میں دیکھیں تو ہر شعوری سطح کا انسان جانتا ہے کہ نائب اُس ہستی کو گردانا جاتا ہے جو اپنے مالک و آقا کی غیر موجودگی میں اُس کے فرائض منصبی سرانجام دے' لیکن خالق کائنات اور اس کے خلیفہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کائنات کا خالق و مالک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ کائنات کے ہر ذرّے اور گوشے میں موجود تھا اور تا ابد الآباد موجود رہے گا' لیکن اپنے اول و آخر ہونے کے باوجود' اپنے قادر و قہار ہونے کے باوجود' اپنے مالک و وارث ہونے کے باوجود اُس ذاتِ بے ہمتا نے صرف کرۂ ارض پر اپنی حاکمیت قائم کرنے کی ذمہ داری تفویض فرمائی اس انسانِ مرتضیٰ کو!

یہ بات صریحاً ملحوظِ خاطر رہے کہ خلافت الوہیت کی نہیں بلکہ ربوبیت کی ہے —— یہ ایک علیحدہ وسیع موضوع ہے جس کی وضاحت سے سر دست میں گریز کر رہا ہوں —— اب ظاہر ہے خلیفۃ ربّ العالمین علم و حکمت کا پیکر اتم ہو' مکمل اختیار رکھتا ہو' منصوبہ بندی اور حکمت عملی اختیار کرنے پر قادر ہو' کون و مکان کی ہر شے کو تسخیر کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اخلاقِ خداوندی کا پرتو ہو: ((تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ)) ''(اپنے اندر) اللہ کا اخلاق پیدا کرو۔''

یہ معاملہ ابھی مزید غور طلب ہے کہ سرزمین پر روزِ اوّل سے ایک سلطنت قائم نہیں ہے

اور نہ ہی حضرت انسان کسی ایک عرصہ حیات میں مذکورہ بالا صفات سے کاملاً متصف رہا ہے' بلکہ ارتقائی طور پر قبائل اور قومیتوں کی بنیاد پر مختلف ریاستیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔ علم وحکمت کے میدان میں بھی انسان قوت تسخیر رکھنے کے باوجود تدریجاً ترقی کرتا ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ خلافت کے لیے کوئی ایک انسان نہیں چنا گیا بلکہ یہ جمیع انسانیت کا فریضۂ منصب ہے اور تقریباً ہر انسان اس خلافت کی بجا آوری کی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خلافت کا نفاذ ہر دور اور ہر زمانہ کی ضرورت ہے۔

اب ہم ان تمام اقوات اور توانائیوں کا جائزہ لیں گے جنہوں نے اس پیکر خاکی کو بالفعل اشرف المخلوقات ثابت کر دیا۔ اس سے پہلے کہ میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کو مفصل بیان کروں میں اپنی سائنسی کورنگاہی کا اعتراف کرنا چاہوں گا کہ میں اپنے عرصہ حیات میں کبھی بھی سائنس کا طالب علم نہیں رہا' لہٰذا ممکن ہے یہاں آپ کو عالمانہ' فاضلانہ سائنسی بحث نظر نہ آئے' لیکن ان شاء اللہ انسان کی قوتِ تسخیر سے آپ کو شناسائی نصیب ہو جائے گی۔

اب میں اس کی تفصیل کا آغاز ایک ایسی آیت مقدسہ سے کرنا چاہوں گا جو پوری اُمت مسلمہ میں ''سفر کی دعا'' کے طور پر بے حد مقبول ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ (الزخرف)

''لائق تسبیحات ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے قابو میں کر دیا حالانکہ ہم اسے قابو میں نہیں لا سکتے تھے۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

تقریباً ہر مسلمان اس آیت مقدسہ سے مانوس ہے' لیکن شاذ ہی کسی نے اللہ کریم کے اس احسان اور انسانی شرف وفضیلت کا احساس کرنے کے لیے تدبر کی زحمت گوارا کی ہوگی۔

غور فرمائیں کہ انسان گھوڑے' گدھے اور اونٹ وغیرہ پر سواری کرتا تھا اور آج بھی کسی حد تک کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ حیوانات انسان سے کئی گنا زیادہ جسمانی قوت کے مالک ہیں اور جب یہ پوری رفتار سے سرپٹ دوڑ رہے ہوں تو انسان اپنی بساط کے مطابق انہیں روکنے پر ہرگز قادر نہیں۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان پر احسان فرمایا اور ان حیوانات میں انسانی تابعداری کا وصف رکھ دیا جس کی بدولت انسان ان جانوروں کی توانائیوں سے بھرپور

فائدہ اٹھاتا چلا آ رہا ہے' بلکہ آج بھی بے شمار ناشکرے انسانوں کے معاش کا کلیتاً انحصار انہی حیوانات کی اطاعت گزاری پر ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض جانوروں کو تو اپنی جان بھی اس انسان کی نذر کرنا پڑتی ہے۔

یہاں ربّ کریم نے دوٹوک بتا دیا کہ جانوروں کے مقابلے میں انسانی قوت وتوانائی اس قدر قلیل وحقیر ہے کہ وہ اس کے بل بوتے پر جانوروں کو مسخر نہیں کر سکتا۔ یہ ربّ کریم کا فضل بے پایاں ہے کہ اس نے جانوروں کو انسان کے تابع کر دیا۔ اس دعا کو ربّ ذوالجلال نے اظہارِ بندگی اور شکرگزاری کا ایک عظیم ذریعہ بنا دیا' کیونکہ انسان اس دعا کے ذریعے اپنی بے بسی اور لاچاری کا اظہار بھی کرتا ہے اور نعمت خداوندی کی شکرگزاری بھی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾﴾ (المؤمن)

''یہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان میں منفعت ہے تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی دل پسند مطلوبہ منزلوں تک پہنچ سکو اور یہ کہ تم ان پر اور کشتیوں (اور بحری جہازوں پر) سوار کیے جاتے ہو۔''

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ احسن الخالقین نے چوپایوں کو نقل وحمل اور خوراک کے ذرائع کے طور پر پیش فرمایا۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ جمیع انسانیت ان ذرائع سے منفعت کے بے پایاں خزانے حاصل کرتی آ رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ کون جھٹلا سکے گا کہ بحری جہاز اور کشتیاں پوری انسانیت کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اب چوپایوں سے آگے بڑھ کر مشینی ذرائع نقل وحمل میں انسانی قوتِ تسخیر کا جائزہ لیتے ہیں کہ آپ ایک موٹر کار پر سفر پیرا ہیں۔ کار آپ کے اشاروں پر اُڑی چلی جا رہی ہے۔ پھر آپ کو ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے نہایت معمولی بدنی قوت کو تصرف میں لاتے ہوئے گاڑی کو بآسانی روک لیا۔ اس سارے معاملے میں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اس کار کو پوری رفتار سے بھگانے کے لیے انسانی دست و پا کی قوت استعمال کرنا پڑتی تو کتنے انسان درکار ہوتے اور اگر انسانوں کا ایک جتھا اپنی بھرپور بدنی توانائیوں کو بروئے کار لے آتا تو کتنے

فاصلے تک وہ یہ رفتار برقرار رکھ سکتے تھے۔ اب یہ تجربہ اگر تدبر قرآنی کے تحت کیا گیا ہے تو اس کا ماحصل واقعتاً انسانی قوتِ تسخیر کو آشکار کر دے گا۔

ذیل میں گھوڑے اور مشینی ذرائع نقل وحمل کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ قوتِ تسخیر کی صورت میں ربِّ کریم نے انسان کو کیا شرف وفضیلت بخشا ہے۔ گھوڑے کی تخلیق اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ عظیم احسان ہے کہ جسے اللہ ربّ العزت نے بڑے شدومد کے ساتھ نے قرآن کریم میں مذکور فرمایا' بلکہ اس کے امتیازی اوصاف کے تذکرے کے ساتھ اس کی قسم بھی کھائی۔ خالق کائنات کا قرآن مجید میں گھوڑے کی قسم کھانا یقیناً انسانی حیرتوں کو جھنجھوڑنے والی بات ہے۔ لیکن آج ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا بغور جائزہ لیں تو حیات وممات کی اس غریب تر دنیا میں عظمت خداوندی پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

بفضل خدائے ذوالجلال آج جہاں جہاں اس کی بخشی ہوئی اقوات وتوانائیاں تصرفِ انسانی میں آ رہی ہیں وہاں وہاں گھوڑے کی قوت ایک اکائی کے طور پر مانی جاتی ہے جسے horse power کی سائنسی اصطلاح کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ گھوڑوں کے کرشماتی اوصاف چونکہ میدانِ کارزار میں ہی آشکار ہوتے ہیں اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ العادیات میں گھوڑے کے اوصاف پر قسم کھا کر اس کی ابدی اہمیت کو اجاگر فرما دیا۔

مزید غور فرمائیں کہ ربِّ کریم نے ایک گھوڑے کو بہت سی اقوات وتوانائیوں سے نوازا لیکن اس سے کہیں بڑا کرم اپنے خلیفہ ونائب پر فرمایا۔ آج اس نائب نے اپنی علمی برتری و شرف کی بدولت ایسے نقل وحمل کے ذرائع کی صنعت گری کر لی ہے جو قوت وتوانائی میں ہزاروں گھوڑوں کی طاقت کے برابر ہے۔ اب موٹر کار ہی کو لے لیں کہ آپ کے پاؤں کے ہلکے سے اشارے سے سینکڑوں میل کی رفتار قائم کر لیتی ہے اور پھر پیر کے ہلکے سے اشارے سے رک بھی جاتی ہے۔ آپ تصور کریں کہ پوری رفتار سے چلتی ہوئی گاڑی کو انسان اپنے دست وپا کی قوت سے روکنا چاہیں تو کیا ہوگا۔

اسی طرح آج میدانِ جنگ میں توپیں' ٹینک' بکتر بند گاڑیاں اور ہیوی ڈیوٹی ٹرکس (Heavy Duty Trucks) اپنے اندر ہزاروں گھوڑوں کی طاقت سموئے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے ربِّ کریم کے اس احسان کا کہ اُس (جلّ جلالہٗ) نے اپنے نائب کو یہ صلاحیت واستعداد بے پایاں عطا فرمائی کہ وہ ایک ایک مشین میں ہزاروں گھوڑوں کے برابر قوت وتوانائی رکھ کر معجزاتی اعمال کا صدور کر رہا ہے۔ اس ضمن میں وہ جن خداداد صلاحیتوں اور

قوتوں کو بروئے کار لا رہا ہے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) طبعی یا جسمانی توانائیاں (Physical Energies)

(۲) علمی توانائیاں' سائنسی' فکری' بدیہی' حسی' الغرض جہاں بینی کے تمام تر ذرائع جنہیں قرآن حکیم نے بصائر فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ﴾ (الانعام:۱۰۴)

''تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس جہاں بینی کے ذرائع آ چکے ہیں۔ پس جس نے نگاہِ بصیرت / نگاہِ شوق (insight) سے کام لیا تو اپنی ذات کے بھلے کے لیے اور جو کوئی اندھا بنا رہا تو اس کا وبال اسی پر ہے۔''

بقول اقبال ؎

نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی!

(۳) کشش ثقل (Gravity) یعنی زمین کا چیزوں کو اپنی طرف کھینچنا۔

(۴) Gravitational Potential Energy وہ توانائی جو کشش ثقل کے مخالف جانے کے لیے استعمال ہوتی ہے' جیسا کہ پرندے' ہوائی جہاز' ہیلی کاپٹر اور راکٹ وغیرہ۔ آپ نے غور فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نائب کو یہ اہلیت عطا فرما دی کہ وہ فضا میں بلند ہونے کے لیے پرندوں کے مقابلے میں یہ توانائی لاکھوں گنا زیادہ استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل بے پایاں ہے کہ اپنے نائب کے ہاتھوں وہ اتنے عظیم کارنامے کروا رہا ہے۔ اب یہ سارا معاملہ انسانی ضعف اور قوتِ تسخیر کو سمجھنے کا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا گیا:

﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾﴾

''اے گروہِ جن وانس! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں/مدارات سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ مگر تم نہ نکل سکو گے سوائے (خاص) قوت کے۔''

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اسلوبِ بیان اور قرآنی نص سے یہ حجت قائم فرمادی کہ زمین کے مدار سے نکل کر خلائی اور آسمانی حدود میں داخل ہونا انسان اور جنات کی استطاعت سے ماوراشے ہے' البتہ اللہ عزیز وحکیم نے ایک خاص قوت (force) کی نشاندہی فرمادی کہ اس کے بغیر زمین کی کشش ثقل کی مدافعت ممکن نہیں۔

آج ہم جانتے ہیں کہ زمین کے مدار سے نکل کر خلا میں داخل ہونے کے لیے Jet engine کی طاقت استعمال کی جاتی ہے۔ ملحوظ رہے کہ جنات کے پاس یہ قوت ذاتی وصف کی صورت میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ یہ جنات آسمانوں میں جا کر مختلف آسمانی خبریں چرانے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔

(۵) ضیائی توانائی (Light Energy): یہ وہ توانائی ہے جس کی بدولت کرۂ ارض کا ہر گوشہ جگمگا رہا ہے۔

(۶) شمسی توانائی (Solar Energy)

(۷) ماہتابی توانائی (Lunar Energy)

(۸) صوتی توانائی (Sound Energy): یہ وہ توانائی ہے جس کے معجزوں سے کرۂ ارض کا ہر فرد واحد مستفید ہو رہا ہے۔ رب کریم نے ذرائع ابلاغ میں نشریاتی لہروں کی ایک ایسی روح ودیعت کر رکھی ہے کہ انسان' انسان کو اپنے پیغامات وحی (transmit) کر رہا ہے۔ یہ پیغام رسانی' زبانی یا تحریری' ہر دو صورتوں میں آسمانی وسعتوں کو چھو رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳﴾ (المرسلٰت) ''اور قسم ہے ان (ہواؤں) کی جو نشریاتی لہروں کو ہر طرف پھیلا دیتی ہیں۔''

قرآن مجید کے بہت سے مقبول تراجم میں مجھے اس آیت مبارکہ کا یہ ترجمہ کہیں نہیں ملا بلکہ یہ میرے اس ترجمے کا حصہ ہے جسے میں ربّ ذوالجلال کی طرف سے وجدانی انعام سمجھتا ہوں۔ اس ترجمے کے لیے میرا منطقی استدلال یہ ہے کہ سورۃ المرسلات کی پانچ ابتدائی آیات میں اللہ احسن الخالقین نے پانچ صفات کی بلا تذکرۂ موصوف قسم کھائی' جس پر ہمارے جیّد مفسرین نے حجت قائم فرمائی کہ یہ ''ہوا'' کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہوا کی اس عظیم ترین صفت کو نظر انداز کر دیا جائے جو نشریاتی لہروں کو کرۂ ارض کے ہر ہر کونے گوشے میں بلا تاخیر پہنچا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ نشر کرنا' نشریات اور نشر مکرر وغیرہ وہ اصطلاحات ہیں جو اسی مفہوم میں پاکستان اور عرب میڈیا پر اکثر وبیشتر استعمال ہوتی ہیں۔

(۹) برقی توانائی (Electrical Energy): رب رحمٰن کا فضل وکرم ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح اس بجلی جیسی خطرناک شے کو انسان کے لیے مسخر فرما دیا ہے اور انسان اپنی قوتِ تصرف سے اسے گھر گھر پہنچا کر اس سے بے پناہ خدمت لے رہا ہے۔ ہر گھر' ہر شہر' ہر ملک بلاشکر گزاری کے اس توانائی سے بے حد وحساب فائدہ حاصل کر رہا ہے۔

(۱۰) متحرک' توانائی بالفعل (Kinetic Energy)

The energy a body possesses due to its motion, Every moving object possesses kinetic energy. It is a form of Potential Energies. ——— Like Gravitational stored Energy, Elastic potential Energy, Potential Energy etc.

(۱۲) حرارتی توانائی (Heat Energy)

(۱۳) کیمیائی توانائی (Chemical Energy)

(۱۴) ہائیڈرولک انرجی (Hydraulic Energy):

worked by the force of water or other fluid

(۱۵) Pneumatic Energy

Pertaining to air, gases or wind. The branch of physics that deals with the mechanical properties of air or other gases.

(۱۶) پٹھوں کی قوت (Muscles Power): اس قوت کا عظیم مظاہرہ کراٹے اور کنگفو وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۷) قوت ارادی یا یقین کی قوت (Will Power)

(۱۸) فکر وعمل کی قوت

(۱۹) تحریر وتقریر کی قوت

(۲۰) وجدانی قوت

(۲۱) تابکاری توانائی (Nuclear Energy)

میں نے مختصراً ان اقوات اور توانائیوں کا ذکر کیا ہے جنہیں اللہ رحمٰن ورحیم نے انسانی قوت وتصرف میں دے کر ظاہراً ثابت کر دیا کہ وہ عزیز وحکیم ہے اور اسی کی بخشی ہوئی قوت تسخیر

نے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا ہے۔ انسان کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی برملا اس بات کی غماز ہے کہ رب کریم کے انعامات نے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی مسجودِ ملائک ہونے کی اہلیت رکھتا ہے' مگر—— اس اسفل سافلین کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ اپنی خلافت کی بات پر کان ہی نہیں دھرتا۔ یہی سائنسی ترقی اس نے معرفت خداوندی کی نیت سے کی ہوتی تو ہر سائنس دان ربّ ذوالجلال کا مقرب ہوتا۔

درحقیقت میں نے انسانی قوت تسخیر کا ابھی مختصر ترین تعارف پیش کیا ہے۔ اگر کوئی انسانی قوتِ تسخیر اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کامرانیوں کا بھرپور فہم حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ پچھلے سو برسوں میں ہونے والا National Geographic Channel کا کام نگاہِ شوق سے دیکھ بھی لے اور اس کے تمام تر علمی پہلوؤں کی جانچ پرکھ بھی لے' لیکن شرط یہ ہے کہ اس بے قدری پر ڈوب مرنے والی شرمندگی ضرور ہو۔ بقول اقبال ؎

نہ خود بیں' نے خدا بیں' نے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا!

اور ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا!
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اسلام اور مغرب کا فلسفۂ جنس

راحیل گوہر

جدید مغربی تہذیب ایک مادی اور معکوس تہذیب ہے‘ جس کے سفرِ حیات کا رخ بلندی سے پستی کی جانب ہے۔ عصرِ حاضر سے پہلے مغرب سمیت پوری انسانیت روحانی ترفع کے حصول کے لیے محوِ سفر تھی۔ اس کے فکر و عمل کی قلب ماہیت کا آغاز اس مرحلے سے ہوا جب مغرب نے اپنے ماضی کی روایات سے رشتے توڑنے شروع کیے۔ جوں جوں یہ فاصلہ بڑھتا گیا‘ مادیت اس پر حاوی ہوتی گئی۔ صدیوں کا سفر طے کر کے مغرب آج جس مقام پر ہے وہاں اس کے اربابِ بصیرت کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ مادی ترقی اور عسکری قوت کے گرداب میں ہم اپنی روح کو ابلیسیت کے حوالے کر کے کتنے ہولناک انجام سے دوچار ہو چکے ہیں۔ لامحدود ترقی کے جنون نے ہمیں وقت کی تند و تیز آندھی میں خزاں رسیدہ پتوں کی مانند بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

شیخ عبدالواحد یحییٰ (Reneguenon) اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں:

> ’’عہد حاضر کی تہذیب رفتہ رفتہ تنزل کی طرف سفر کرتی گئی‘ حتیٰ کہ یہ انسان کے پست ترین عناصر کی سطح پر جا کر غرق ہوگئی۔ اس کا نصب العین اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسانی فطرت کے محض مادی گوشوں کے تقاضوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا جائے۔ یہ نصب العین خود ایک فریب ہے۔ جو لوگ مادّہ کی وحشی قوتوں کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں وہ خود اپنی قوتوں کے ہاتھوں تباہ ہو جاتے ہیں‘‘۔

سچی بات تو یہی ہے کہ مادہ پرستی کا زہر قوموں کی رگوں میں سرایت کر کے ان کی اخلاقی اقدار کو دیمک زدہ کر کے چھوڑتا ہے۔ ان کے غلط اور گمراہ کن اندازِ فکر کا ایک شاخسانہ آزادیٔ نسواں کا پرکشش نعرہ ہے‘ جس نے مغربی معاشرے میں جنسی بے راہ روی کا ایک طوفان برپا کیا ہوا ہے۔ ’ایڈز‘ جیسی مہلک اور تباہ کن بیماری نے اس معاشرے کے تار و پود کو بکھیر دیا ہے۔ مغرب کے ہر شہر میں Lesbians اور Gays پر مشتمل فحاشی کے اڈے جا بجا کھلے ہوئے

ہیں۔ اب تو نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ ان کی خواتین کھلے عام برہنہ کار و اشنگ تک کر رہی ہیں۔ ’’ایڈز‘‘ زدہ مریضوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ تشویش کا مقام یہ ہے کہ اس فضا اور تعفن زدہ ماحول میں رہنے والے بیشتر مسلمان بھی اس بھیانک مرض کا شکار ہو رہے ہیں۔

مسلمان جب بھی کسی ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہوئے ہیں‘ اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہ تھی کہ انہوں نے قرآن و سنت کی فطری تعلیمات کو چھوڑ کر اپنے ذہن میں پلنے والے افکار و نظریات پر عمل کیا یا پھر کسی دوسری تہذیب و تمدن کی نقالی میں خود کو تباہ و برباد کر لیا۔ قرآن و سنت کی بصیرت افروز تعلیمات انسان کو پاکیزہ اور شفاف زندگی گزارنے کی راہیں دکھاتی ہیں۔ تہذیب مغرب کی مصنوعی چمک دمک نے اچھے اچھے دیدہ وروں اور دانشوروں کی مت ماردی ہے‘ بالکل اسی طرح جیسے کہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی چمک سے آگے کا راستہ سجھائی نہیں دیتا اور بسا اوقات انسان کسی فوری حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان جنسی تسکین حاصل کرنے کے لیے وہ طریقے استعمال کرتا ہے جو کتاب و سنت کی ہدایات کے قطعی منافی ہوتے ہیں۔ آزاد شہوت رانی کی لذت اور چاشنی انسانوں کی نسلوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال اپنی کتاب ’’اسلامی کلچر‘‘ میں رقم طراز ہیں:

> ’’تہذیب اسلامی سے مراد ایسی تہذیب نہیں جو مسلمانوں نے کسی دور میں خارجی ماخذوں سے حاصل کر لی ہو بلکہ تہذیب اسلامی سے مراد اسلام کے اصولوں پر مبنی تہذیب ہے جس کا مقصدِ وحید بنی نوع انساں کی فلاح ہے۔ اگر مسلمانوں نے کوئی ایسا طرزِ زندگی یا طرزِ عمل اختیار کر لیا جو تعلیماتِ قرآنی اور احکامِ نبویؐ پر مبنی نہیں تو وہ ایک غیر اسلامی فعل ہے اور اس کے ماخذ نظامِ اسلام سے خارج میں ملیں گے۔ کوئی بھی غیر شرعی نظام خواہ وہ قومی ترقی میں حائل نہ بھی ہو‘ مسلمانوں کے لیے فوز و فلاح کا سبب نہیں بن سکتا۔ پھر وہ نیا عمل جو تعلیماتِ قرآنی کے مخالف اور ہادیٔ برحق ﷺ کی تعلیمات کی ضد ہو مسلمانوں پر کامیابی کی راہیں مسدود کر دے گا اور ایسے ضابطوں کو اختیار کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔‘‘

یورپ میں مادیت اور روحانیت کی کشمکش ایک طویل عرصے تک جاری رہی اور بالآخر کلیسا کی تنگ نظری اور استیصالی طرزِ فکر کا دور ختم ہوا اور جدید مادیت کی فکر پروان چڑھی اور اس کے نتیجہ میں مذہب سے لاتعلقی اور بیزاری کا دور شروع ہوا۔ اس فکر جدید کے علماءِ نفسیات

اسلام کے بارے میں بھی یہی تصور رکھتے ہیں کہ اسلام اپنی تعلیمات میں انسان کے فطری اور جنسی تقاضوں کو کچلنے پر زور دیتا ہے اور غیر فطری انداز سے ان کی آزادی اور خواہش نفس کو دبانے کے لیے مذہب کے دائرے میں مقید کر دیتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی خواہش کی تسکین حاصل کر لے تو وہ خود کو ایک احساسِ گناہ کا مرتکب سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے برخلاف مغرب میں ناجائز جنسی تعلقات قطعی قابل مذمت چیز ہے ہی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے آزادانہ جنسی ملاپ اور ہم جنس پرستی (homosexuality) کی پاداش میں پیدا ہونے والی ایڈز جیسی جان لیوا بیماری سے بچاؤ کے لیے محفوظ طریقوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے کے راستے نکال لیے ہیں۔ فیملی پلاننگ اور کنڈوم سسٹم کی اشتہاری مہم چلانا اسی فکر و عمل کا حصہ ہے۔

لیکن اس جنسی بے راہ روی نے ان کے خاندانی نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ مغرب کے اپنے دانشور اس ہولناک صورت حال کے ترجمان ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر جے ڈی اَن وِن (Joseph Daniel Unwin) نے سولہ اقوام کے معاشرہ کے مطالعۂ تحقیق کے نتائج کو اپنی تصنیف ''سیکس اینڈ کلچر'' کے دیباچہ میں بایں طور لکھا ہے:

''اپنی تحقیقات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انسانوں کے گروہوں کی تمدنی سطح دو امور پر منحصر ہے' ایک اس کا نظامِ حکومت اور دوسرا اس کی توانائی کا وہ سرمایہ جو اس گروہ کے نوجوان طبقے (teen agers) نے آزادانہ جنسی تعلقات کی حدود و قیود کی پابندی کر کے محفوظ رکھا ہو۔''

مزید لکھتا ہے:

''۸۰ قبائل کے تمدنی سطح کے عمیق مطالعہ سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ جن قبائل نے اپنے افراد کو شادی سے قبل ہی کھلی جنسی آزادی دے رکھی تھی وہ قبائل تمدنی سطح پر انتہائی پستی پر تھے اور جن قبائل نے اس معاملے میں کسی قدر احتیاط سے کام لیا تھا وہ تمدنی سطح کے درمیانے درجے میں رہے۔ تمدن و اخلاق کی بلند سطح پر وہ قبائل نظر آئے جو شادی سے قبل جنسی تعلقات استوار کرنے کو جرم سمجھتے تھے اور شادی کرتے وقت صنف مخالف کی عزت و عفت کی صحت کا شدید تقاضا کرتے تھے۔''

سماجی محققین اور دانشور اپنی تحریروں میں یہ واضح کرتے ہیں کہ جنسی تعلقات پر پابندیاں لگانے سے کسی بھی معاشرے کے افراد کے قلب و ذہن میں نہ صرف پاکیزگی نمو پاتی ہے بلکہ

ان کے اندر قوتِ فکر و عمل بھی بڑھ جاتی ہے' حوصلے جواں رہتے ہیں اور زندگی کے گھمبیر مسائل سے نبرد آزما ہونے کی ہمت و صلاحیت برقرار رہتی ہے۔ جو قومیں اپنے معاشرے میں جنسی تعلقات کو حیوانیت کی سطح تک پہنچا دیتی ہیں ان کے فکر و عمل کی صلاحیتیں بھی زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور ان کے معاشرے میں رشتوں کا تقدس بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں سگمنڈ فرائڈ جیسے انسان جنم لیتے ہیں جس کی سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے ڈاکٹر رفیع الدین (مرحوم) ''قرآن اور علم جدید'' میں لکھتے ہیں:

''فرائڈ نہ صرف خوابوں اور دماغی بیماریوں کو جنسی خواہشات کا نتیجہ سمجھتا ہے بلکہ تندرست انسانوں کے تمام ایسے اعمال کو بھی جو بظاہر جنسیت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے' ان ہی خواہشات کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ آدرشوں کی محبت بھی جو بچپن کے بعد انسان میں لازماً پیدا ہو جاتی ہے' جنسی خواہشات کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ آبائی الجھاؤ کی قائم مقام ہے اور آبائی الجھاؤ والدین کے لیے بچے کی جنسی محبت کا دوسرا نام ہے۔ آبائی الجھاؤ رفتہ رفتہ ختم ہو کر آدرشوں کی محبت کو اپنا جانشین بنا دیتا ہے۔ حاصل یہ کہ آبائی الجھاؤ کا تصور فرائڈ کے سارے نظریے کی بنیاد ہے۔''

ان تمام گمراہ کن فلسفیانہ موشگافیوں کے برعکس قرآن حکیم کا ''فلسفۂ جنس'' تصور مغرب کی شرم و حیا سے عاری جنسی بھوک (appetite) سے یکسر مختلف ہے' اس لیے کہ اسلام کوئی ساکت و جامد دین نہیں ہے۔ اس کا اصل جوہر حرکت و جستجو کے ذریعے اس حیاتِ دنیوی اور بعث بعد الموت کی زندگی میں فلاح و کامرانی کا حصول اور شر کی قوتوں پر غلبہ حاصل کر کے خیر کی قوتوں کو بروئے کار لانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر اس قبیح اور اخلاق باختہ فعل پر پابندی عائد کرتا ہے جو انسانیت کی تضحیک کا باعث بنے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ ﴾ (بنی اسراء یل)

''اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔''

اسلام حدود میں رہ کر پوری کی جانے والی خواہشاتِ نفس پر قدغن نہیں لگاتا اور نہ انہیں رد کرتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾﴾ (آل عمران)

''لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں' (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں' اور اللہ کے پاس بہت ہی اچھا ٹھکانہ ہے۔''

ان سب چیزوں کی محبت فطری طور پر انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب خواہشات نہ بری ہیں اور نہ ہی ان کی محبت کوئی ناپسندیدہ شے ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ان سب کی محبت میں الجھ کر انسان اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود و قیود کو عبور نہ کر جائے۔ اسی صورت میں یہ تمام چیزیں (محبتیں) انسان کے لیے کامیابی کا ذریعہ اور خوش آئند بن سکتی ہیں' ورنہ یہ تباہی اور خسارے کا سودا ہے۔ قرآن حکیم تو خود جنسی ملاپ کو انسان کی راحت اور انبساط کا موجب قرار دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱﴾ (الروم)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔''

اسلام کی تعلیمات کے مطابق جنسی اختلاط کا ایک بڑا مقصد افزائش نسل بھی ہے' اسی لیے تو قدرت نے جنس مخالف میں ایک دوسرے کے لیے رغبت اور کشش پیدا کی ہے تاکہ زوجین احسن طریقے سے قدرت کے منشا کو پورا کریں۔ اس حقیقت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے اُس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''

مولانا مودودیؒ ''تفہیم القرآن'' میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''چونکہ آگے چل کر انسانوں کے باہمی حقوق بیان کرنے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ خاندانی نظام کی بہتری و استواری کے لیے ضروری قوانین ارشاد فرمائے جانے والے ہیں' اس لیے تمہید اس طرح اٹھائی گئی کہ ایک طرف اللہ سے ڈرنے اور اس کی ناراضی

سے بچنے کی تاکید کی اور دوسری طرف یہ بات ذہن نشین کرائی کہ تمام انسان ایک اصل سے ہیں اور ایک دوسرے کا خون اور گوشت پوست ہیں۔''

یہ بصیرت افروز حقائق اور چشم کشا مصلحتیں ہیں جن کے تحت مرد و عورت کے جنسی اختلاط اور توالد و تناسل کا سلسلہ شروع کیا گیا' ورنہ یہ محض لذت و چاشنی حاصل کرنے کا راستہ نہیں ہے' جب کہ مغرب نے مرد و زن کے اس تعلق کو صرف لذت پرستی (hedonistic) کا ذریعہ ہی بنایا ہوا ہے۔ اسی لیے ان کے معاشرے میں single parent خاندان ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امریکا کے ایک سابق صدر کلنٹن نے یہ برملا اعتراف کیا تھا کہ عنقریب ہماری قوم کی اکثریت حرامی بچوں (illegimate children) پر مشتمل ہوگی۔

بیسویں صدی کا برطانوی فلسفی اور مؤرّخ برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے:

''ہماری موجودہ مشکل یہ ہے کہ ہم نے خارجی قوتوں کو تو بے حساب مسخر کر لیا لیکن ان قوتوں پر قطعاً قابو نہیں پایا جو خود ہمارے وجود کا حصہ ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا تعلق خواہ کسی قوم' مذہب اور کسی بھی مکتب فکر سے ہو اگر اس کے اندر سلامت روی ہے اور اس کے ذہن سے دُنیوی زندگی کا مقصدِ وحید مسخ نہیں ہوا ہے تو وہ چار و ناچار حقیقت حال تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ بعض غیر مسلموں کے صحیح فہم و ادراک نے ان کی قلب ماہیت کی تو انھیں حقائق کا شعور حاصل ہوا اور پھر انہوں نے اپنے اوپر آشکار ہونے والے حقائق کا برملا اظہار کرنے سے گریز نہیں کیا، خواہ انہیں سقراط کی طرح زہر کا پیالہ ہی کیوں نہ پینا پڑا ہو۔ اس لیے کہ سچائی بہتے ہوئے پانی کی مانند کہیں نہ کہیں سے اپنا راستہ نکال ہی لیتی ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے کہ اس کی صداقت اور حقانیت پر یقینِ کامل انسان کی نفسانی خواہشات' آرزوؤں' تمناؤں اور اس کے فطری تقاضوں کو اس دین کے تابع کر دیتا ہے۔ وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہوئے تعلیماتِ اسلامی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ اس کی مثال اس حدیث نبویؐ کی مانند ہو جاتی ہے کہ ((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ)) (صحیح مسلم) ''یہ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے''۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے جسے ایک دن چھوڑ کر چلے جانا ہے۔ ع ''جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے!'' اس ناپائیدار دنیا کا معاملہ تو یہ ہونا چاہیے کہ:

(باقی صفحہ 22 پر)

بیوی کے فرائض

(شوہر کے حقوق)

بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ﴾

''ان عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسے کہ ان کے فرائض ہیں' اور مردوں کو ان پر ایک درجہ فضیلت ہے۔''

سورۃ النساء (آیت ۳۴) میں ارشاد ہوا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ﴾

''مرد عورتوں پر قوام ہیں بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر دے دی اور بسبب اس کے جو وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک عورتیں وہ ہیں جو (اپنے شوہروں کی) فرماں بردار ہوتی ہیں' حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (شوہروں کی) غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے باعث۔''

یہاں آیت اگرچہ مکمل نہیں ہوئی لیکن آیت کا اگلا حصہ میرے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔ آیت کا اگلا حصہ مَردوں کی فضیلت کے باعث عورتوں یعنی بیویوں کو سزا دینے کے بارے میں ہے کہ اگر بیوی نافرمان' خودسر اور بدزبان ہو جائے تو ان کو ازروئے قرآن کس طرح سزا دی جاسکتی ہے۔ یہاں برسبیل تذکرہ یہ بتانا ضروری ہے کہ اللہ نے مردوں کو اضافی فضیلت اور کسبِ مال کے باعث عورتوں کو سزا دینے کا اختیار دیا ہے جبکہ عورتوں کے پاس ایسا کوئی اختیار موجود نہیں ہے خواہ مرد کتنا ہی بدزبان اور سخت مزاج کیوں نہ ہو۔

حقوق وفرائض کی اہمیت

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حقوق وفرائض جو ہمیں من جانب اللہ دیے گئے ہیں ان کی ایمانداری اور دیانت داری سے ادائیگی ہم سب پر فرض ہے اور عنداللہ مسئولیت بھی بہت سخت ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ ''حقوق اللہ'' کو رحمان ورحیم ذات پوری طرح معاف کرنے پر قادر بھی ہے اور معاف کرتا بھی رہتا ہے جبکہ ''حقوق العباد'' وہ عادل ذات بھی معاف نہیں کرے گی جب تک کہ وہ انسان (جس کی حق تلفی ہوئی ہوگی) خود معاف نہ کردے۔

اس ضمن میں وہ حدیث ہر وقت یاد رہنی چاہیے جس میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے مفلس انسان کی تشریح لرزا دینے والے انداز سے کی ہے۔ ہمیں خود کو اس حساب وکتاب کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم خود تو مفلس نہیں ہو گئے۔ کیونکہ دنیا میں ہماری زبانیں کسی کو بھی برا بھلا کہنے' چغلیاں کرنے' شکوے کرنے' لعن طعن کرنے' گالم گلوچ کرنے' مذاق اور تمسخر کرنے اور دوسری بہت سی گناہ کی باتیں کرنے سے رکتی نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسروں پر الزام لگانے اور دوسروں کی نیکیاں اپنے کھاتے میں ڈالنے اور اپنے فرائض (عبادات کے علاوہ) دوسروں پر جبراً ڈالنے کی عادت ہمیں پڑ چکی ہے۔ صرف ایک سال کی ان چند برائیوں کو جمع کریں تو شاید رجسٹروں کے رجسٹر تیار ہو جائیں' جو فرشتے تو تیار کر ہی رہے ہیں' لیکن ہم اس زعم میں رہتے ہیں کہ نمازیں پڑھ لیں' زکوٰۃ دے دی' عمرہ وحج کر لیا تو یہ ہمارے لیے کافی ہے۔ پھر لوگوں کے سامنے کافی نیک سمجھے جاتے ہیں' دعوت وتبلیغ میں بھی بہت پہنچے ہوئے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو تو قرآن پر عبور ہے (نعوذ باللہ!) چنانچہ اللہ تو ہم سے بہت راضی ہوگا اور یقیناً ہمارا مقام بھی اللہ کے ہاں بہت اونچا ہوگا۔

یہ سب نیکیاں ہیں' ان سے کسی کو انکار نہیں' لیکن حقوق العباد ادا نہ کرنے کی پاداش میں یہ تمام نیکیاں جو اگرچہ بہت خلوص سے کی تھیں' ہماری حق تلفیوں کی وجہ سے ان سب لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے ساتھ ہم نے ایسے سلوک کیے۔ پھر بہت سی دوسری برائیاں' فرائض میں غفلتیں اور عملی گناہ ہیں جو ہم دن رات کرتے رہتے ہیں' وہ ان سب کے علاوہ ہیں۔ ایک اور حق تلفی کا ذکر کروں گی کہ آخری خطبہ (حجۃ الوداع) میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عورت اور اپنے غلام کے بارے میں اللہ سے ڈرنا' ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔'' یہ دونوں ہمارے ماتحت ہیں اور ان کے بارے میں ہم سے زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ آج غلام کے

بجائے ملازمین ہوتے ہیں' جن کو برا بھلا کہنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عورت کے بارے میں بھی افراط وتفریط کا شکار رہتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں تادم آخر ہمارے ساتھ ہوتی ہیں۔ آخرت میں تمام نیکیوں کا دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہوجانا گویا ہماری تمام عمر کی پونجی اچانک لٹ جانے کے مترادف ہے' بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ' کیونکہ انسان کی پونجی ختم ہوجائے یا لٹ جائے تو پھر انسان کوشش اور محنت سے دوبارہ کما سکتا ہے' لیکن آخرت میں دوبارہ کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ نہ ہی ہماری چیخ وپکار سے کوئی ترس کھائے گا اور مفلسی کا شکار ہونے کے بعد بھی ہم جنت میں نہیں جاسکیں گے۔ ہم یٰوَیْلَتٰی یٰلَیْتَنِیْ اور یٰحَسْرَتٰی کہتے رہ جائیں گے اور فرشتے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اور یہ سب کچھ ظلم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا اظہار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس انجامِ بد سے بچائے اور ہمیں ہمارے فرائض بحیثیت والدین' بحیثیت اولاد' بحیثیت شوہر' بحیثیت بیوی' اور بحیثیت انسان ادا کرنے کی توفیق تادمِ آخر عطا کرتا رہے۔ (آمین!)

بیوی کا پہلا فرض: شوہر کی خداداد فضیلت تسلیم کرنا

سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت کے مطابق بیوی کا پہلا فرض اپنے شوہر کی اس خداداد فضیلت کو تسلیم کرنا ہے جس کا سبب کسب مال وغیرہ نہیں ہے۔ اس خداداد فضیلت کو اگر بیوی دل سے تسلیم کرلے تو شاید سارے گھریلو مسائل ختم ہوجائیں۔ بیوی کو یہ سوچنا چاہیے کہ شوہر کسی کے بھی کہنے سے قوام یا گھر کا سربراہ یا بڑا نہیں بن گیا بلکہ یہ مقام اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جو فاطر فطرت ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت میں خوب واضح کردیا۔ اگرچہ مرد وعورت دونوں کے حقوق وفرائض ان کی ساخت کے مطابق رکھے گئے ہیں لیکن مردوں کو ہر حال میں عورتوں پر ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے۔

مساواتِ مرد وزن کی اندھا دھند مغربی تقلید میں دوڑنے والی خواتین اگر شعوری طور پر اپنے گردونواح کا جائزہ لیں تو خود ان پر یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔ اگر غور کیا جائے تو ہماری دنیا بھی ایک دوسرے پر فضیلتوں اور حاکم ومحکوم کے چکر سے ہی چل رہی ہے اور دنیا کا نظام بحسن وخوبی چلانے کے لیے یہ سب کچھ ناگزیر ہے۔ جیسے حکمران اور عوام' استاد اور شاگرد' والدین اور اولاد' آقا اور غلام' اسی طرح شوہر اور بیوی بھی اسی نظام کے تحت حاکم ومحکوم

ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰﴾

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔''

سورۂ بنی اسرائیل میں ہی دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱﴾

''دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اور آخرت درجوں میں (دُنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔''

ہماری یہ بات کہ ''دنیوی فضیلتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے'' اس لحاظ سے غلط ہے کہ اس بات کو وزن اور اہمیت نہ دے کر ہی ہمارا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہے۔ تمدن کی اکائی چونکہ ایک مرد اور عورت سے ہے' لہٰذا اس غلط فہمی کا شکار سب سے پہلے عورت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درجہ بندی خود کی ہے۔ سورۃ النحل میں فضیلتوں کے بارے میں مزید فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ﴾ (آیت ۷۰) ''ہم نے ان کے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دے دی''۔ لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے کہ آخرت تمام دنیوی فضیلتوں میں سے سب سے بڑھ کر فضیلت والی ہے اور آخرت میں اصل فضیلت کا حامل وہی شخص ہوگا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' جو دُنیوی فضیلتوں کا احترام کرے اور اسے اللہ کا حکم مان کر تسلیم کرلے۔ اس لیے ہم خواتین کے لیے بحیثیت بیوی عافیت اسی میں ہے کہ اپنے شوہروں کی فضیلت کو دل سے تسلیم کریں جو کہ بیویوں کا پہلا فرض ہے۔ اس کے ساتھ شوہروں کی قوامیت اور حاکمیت کو اس لحاظ سے بھی تسلیم کریں کہ وہ اپنے مال میں سے بیویوں پر خرچ کرتے ہیں۔ مال سے مراد نان ونفقہ ہے جو کہ مردوں کو اپنی حیثیت کے مطابق بیویوں پر خرچ کرنا ہے۔

نوّے فیصد مرد بیویوں کو اتنا ضرور کھلاتے پہناتے ہیں کہ ناگزیر ضروریات پوری ہو جائیں' لیکن بیویوں کو اس سے بہت زیادہ چاہیے ہوتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر عورتیں (بیویاں) مرد کی پہلی فضیلت کو تو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ شوہروں کی فضیلت کی

اصل وجہ کسب مال ہی ہے' چنانچہ جب مرد کی کمائی سے تسلی نہیں ہوتی تو وہ بھی معاشی طور پر خود کفیل ہونے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مردوں کی فضیلت بھی ختم ہو جائے۔ وہ اکثر یہ کہتی سنائی دیتی ہیں کہ ''اگر وہ کماتا ہے تو میں بھی کماتی ہوں' وہ تھک جاتا ہے تو میں بھی تھکی آتی ہوں' پھر فضیلت کیسی!'' ان کا یہ جواب بالکل بودا اور ناسمجھی ہے' اس لیے کہ شوہر اگر کماتا نہ بھی ہو اور دوسری طرح سے بھی حق تلفیاں کرتا ہو اور گھر میں فارغ بیٹھا ہو تو پھر بھی ایک اضافی فضیلت بحیثیت شوہر اس کے حق میں آ ہی جاتی ہے جس کی بنیاد پر عورت محکوم بھی ہو جاتی ہے اور معروف میں مطیع بھی (اگرچہ مرد سے اس کی زیادتیوں کے بارے میں عند اللہ ضرور پوچھا جائے گا)۔ یہ اضافی فضیلت عورت سے آج تک ہضم نہیں ہوئی اور نہ ہو گی جب تک ہم یہ بات بچیوں کی گھٹی میں نہ ڈال دیں کہ معروف میں شوہر کی اطاعت تمہارا فرض ہے۔ اگر وہ کچھ بھی نہیں کرتا تو پھر بھی اس کو تم پر فضیلت ہے اور اگر تم کمائی بھی کرتی ہو' گھر میں خرچ بھی کرتی ہو' پھر بھی تمہارے شوہر کو تم پر فضیلت ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ (آیت ۳۴) کہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ نیک عورت بننا بھی عورت کا فرض ہے' بلکہ یہ خطاب ہی الامراۃ الصالحۃ ''نیک عورت'' سے ہو رہا ہے جو مرد کی اس فضیلت کو دل سے تسلیم کر چکی ہے۔ یہاں اس کا دوسرا فرض بتایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو گی۔ لفظ 'قٰنِتٰت' کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں: اللہ کی فرماں بردار اور شوہروں کی فرمانبردار۔ اور ظاہر ہے کہ عورت اگر اللہ کی فرمانبردار ہو تو لازماً شوہر کی معروف میں اطاعت اور فرمانبرداری بھی اللہ کی فرماں برداری ہی ہے۔

معروف میں شوہر کی اطاعت

''قٰنِتٰت'' ایک ایسا لفظ ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے بیوی کی پوری زندگی سکون سے گزر سکتی ہے۔ اگر وہ چاہے تو وہ سازگار حالات میں شوہر کو اچھے انداز سے سمجھا بھی سکتی ہے' اپنی منوا بھی سکتی ہے' یہاں تک کہ دعوت و تبلیغ بھی کر سکتی ہے' لیکن حکم نہیں چلا سکتی' بلکہ شوہر کے نہ ماننے کی صورت میں بھی صبر اور تحمل سے قٰنِتٰت ہی رہے گی۔ اس ضمن میں ''معروف میں اطاعت'' کو بھی سمجھانے کی ضرورت ہے۔ صرف چند عملی پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کروں گی جن کو بیویاں نظر انداز کر دیتی ہیں' جبکہ یہاں اجازت بھی ضروری ہے اور اطاعت بھی:

(۱) نفلی نمازوں یعنی نفلی عبادات میں شوہر کی اجازت اور اطاعت ضروری ہے۔

(۲) دعوت و تبلیغ کے لیے بھی عورت کو مرد کی اطاعت ضروری ہے اور اجازت بھی۔

(۳) کسی سے ملنے ملانے' گھر بلانے یا خود باہر جانے کے لیے بھی اطاعت ضروری ہے اور اجازت بھی۔

(۴) ملنے ملانے کے ضمن میں' خواہ والدین ہی کیوں نہ ہوں' شوہر کی اطاعت بہرصورت ضروری ہے اور اجازت بھی۔

(۵) مرد کسی ایسے کام کے لیے بلا رہا ہو جو بیوی کو ناگوار لگتا ہو اور اس میں بیوی کی رضامندی شامل نہ ہو پھر بھی شوہر کی اطاعت ضروری ہے۔

غرض یہ کہ اپنے گھر کو پرسکون اور جنت کا نمونہ بنانے کے لیے بیوی کو شوہر کی معروف میں اطاعت کرنا فرض قرار دے دیا گیا ہے' لیکن مرد یہ نہ سوچیں کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ان کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہ کرتا ہے اور نہ ہی برداشت کرتا ہے کہ کوئی اس کے بندوں پر ظلم کرے۔

اس کے برعکس معصیت میں شوہر کی اطاعت لازم نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ))(۱)

''خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہو گی۔''

اس ضمن میں اپنے شوہروں کو خالق کا درجہ دینے اور والدین کا لڑکی کو یہ کہہ کر کہ جو بھی شوہر کہے تم نے ماننا ہے' رخصت کرنے کے باعث بیویاں اکثر اوقات گناہ کے کاموں میں بھی شوہروں کی فرمانبرداری فرض سمجھتی ہیں کہ یہ تو شوہر کا حکم ہے کیا کریں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے' بیوی کو سوچنا چاہیے کہ مرد نہ رازق ہے اور نہ اس کی غیر مشروط اطاعت کا حکم ہے۔ مرد نے اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنا حساب کتاب دینا ہے' جبکہ عورت نے اپنا۔ اگرچہ معروف میں زندگی بھر شوہر کی اطاعت بیوی پر فرض ہے لیکن اس کے برعکس دو قسم کی اطاعتیں ہیں جو جبراً اور کراہتاً یا صبر و تحمل اور ایثار و قربانی سے کی جائیں گی۔ ان میں سے ایک غیر معروف میں شوہر کی اطاعت ہے اور دوسری اللہ کے احکامات کی نافرمانی میں شوہروں کی اطاعت۔

غیر معروف میں شوہر کی اطاعت

غیر معروف اطاعتیں وہ ہوتی ہیں جو عورت (بیوی) کی ذمہ داری تو نہیں ہوتیں لیکن

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی' ح:۹۹۰۳' عن عمران بن الحصینؓ۔

معاشرے کے غلط چلن کی وجہ سے وہ معروف کے زمرے میں آ گئی ہوتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے۔ ان نام نہاد ذمہ داریوں کو بیوی کے فرائض میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں نہ ہی معروف ہیں اور نہ ہی اللہ کے عائد کردہ فرائض میں سے ہیں' لیکن عورت کو پھر بھی مرد کا حکم مان کر اطاعت کر لینی چاہیے۔ اور اس ضمن میں صبر و تحمل' ایثار و قربانی اور اللہ کے ہاں تمام زیادتیوں کے بدلے مل جانے کی پوری امید کے ساتھ گھر کو پرسکون بنائے رکھنا چاہیے۔ ہمارے سامنے فرعون کی بیوی سیدہ آسیہ کی مثال ہر دم رہنی چاہیے کہ انہوں نے ناسازگار اور نامساعد حالات میں کس صبر و تحمل سے گزارا کیا' بلکہ بایں طور مقابلہ کیا کہ جنت کی عورتوں کی سردار بنا دی گئیں۔

معصیتِ الٰہی میں شوہروں کی اطاعت

اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صراحتاً نافرمانی' خاص طور پر گناہ کبیرہ میں شوہروں کی اطاعت ہرگز جائز نہیں ہے۔ ان کو ہر اچھے طریقے سے سمجھانا عورت کا فرض ہے اور بیویاں خوب جانتی ہیں کہ اپنے شوہروں کو کسی بات پر کیسے راضی کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ایک چھوٹی سی مثال دیتی ہوں کہ اگر عورت نے کسی ایسی جگہ جانا ہے جہاں شوہر پسند نہیں کرتا تو بیوی ایسی ایسی تجاویز دیتی ہے اور اپنی منصوبہ بندی کرتی ہے کہ بالآخر شوہر کو اپنی اطاعت پر مجبور کر ہی دیتی ہے۔ لہٰذا خلوصِ دل سے شوہر کو اللہ کے حکم کی طرف لانا اور اللہ سے رو رو کر دعائیں کرنا کہ شوہر اللہ کے حکم پر راضی ہو جائے یہ بہت ضروری ہے۔ لیکن اگر شوہر پھر بھی اللہ کی نافرمانی پر جازم ہے تو عورتوں کے لیے اس ضمن میں دو راستے ہیں: (۱) علیحدگی' اور (۲) کراہتاً شوہر کی اطاعت۔

بسا اوقات عورت کو تقویٰ اور نیکی فوری طور پر تو علیحدگی کا راستہ دکھا دیتے ہیں' لیکن چونکہ دل اندر سے دین دار یا حقیقی ایمان سے خالی ہوتا ہے لہٰذا ماں باپ کے گھر جا کر بہت جلد احساس ہوتا ہے کہ ہم نے جلد بازی سے کام لیا۔ کیونکہ ماں باپ کے گھر میں خود ساختہ نیکی اور تقویٰ کی کوئی قدر نہیں کرتا بلکہ مذاق ہی اڑایا جاتا ہے کہ یہ تو ہے ہی ایسی۔ ماں باپ کے گھر میں پہلے والی عزت بھی نہیں ملتی۔ دوسری طرف عورت دیکھتی ہے کہ بچے منتشر ہو گئے' کبھی ادھر اور کبھی ادھر' اس طرح ان کی تربیت خراب ہو رہی ہے۔ بسا اوقات بچے ماں سے بالکل چھین لیے جاتے ہیں تو ماں کو نہ دن میں چین ملتا ہے اور نہ رات کو سکون۔ عورت سوچتی ہے کہ یہاں کی ذلت سے تو شوہر کے جوتے ہی اچھے تھے' وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ وہ یہ سوچتی ہے کہ میں یہ

قدم نہ اٹھاتی تو اچھا تھا۔ ''نیکی برباد گناہ لازم'' والی بات ہو گئی۔ اس ایک بڑے گناہ (یا زیادہ گناہوں) کو چھوڑ کر آئی ہوں لیکن یہاں مزید گناہوں میں پڑ چکی ہوں۔ مایوسیاں' بدگمانیاں' غیبتیں' ہر ایک کے بارے میں شکوک و شبہات' بھابھیوں سے حسد' جلن' انتقام وغیرہ یہ سب کچھ کوئی کم گناہ نہیں ہیں۔ میں اپنے شوہر کو نیکی کی طرف لاتی رہتی تو شاید اللہ اسے بھی نیک بنا دیتا۔

دوسرا راستہ اللہ کی نافرمانی میں کراہتاً شوہر کی اطاعت ہے۔ میرے محدود علم کے مطابق ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی تو راستہ ضرور رکھا ہوگا —— جبراً اور کراہتاً شوہر کی فرمانبرداری اور اطاعت کی سب سے بڑی مثال فرعون کے گھر میں حضرت آسیہ کی ہے۔ جنت کی عورتوں کی سردار نے مغرور' متکبر' خدائی کے دعوے دار شوہر کے گھر میں ساری زندگی گزار دی۔ کراہتاً اطاعت کے حوالے سے سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾﴾

''اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دُنیوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔ اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بے چاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہاں مسلمان لونڈیوں کا اپنے آقاؤں کا کراہتاً حکم ماننے کا ذکر آ گیا جو خود مسلمان تھے لیکن مسلمان لونڈیوں سے جسم فروشی کا کام کرواتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد ان لونڈیوں سے یہ کام نہ کرواؤ (کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے) لیکن اگر تم ان سے جبراً یہ کام کرواؤ گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کے باوجود معاف کر دے گا۔ اسی طرح عورت بھی تو مرد کی محکوم (اگرچہ غلام ہرگز نہیں) اور تابع ہے۔ جب شوہر معصیت الٰہی سے بیوی کی ہزار ہا کوشش کے باوجود باز نہ آئے تو بیوی کو چاہیے کہ ایسے ناسازگار حالات میں اللہ کی جناب میں گریہ وزاری کرے اور خود اپنی نیت کو ٹٹولتی رہے کہ کہیں میں خود تو اس گناہ کی طرف مائل نہیں ہو گئی۔ پھر جیسے ہی موقع ملے (شوہر کی غیر موجودگی میں) اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے مطابق ڈھال لے لیکن وہ خود گھر کو میدانِ جنگ نہ بنائے اور اپنے شوہر کی اطاعت جبراً اور کراہتاً کرے۔

یہ خود ساختہ اطاعتیں اگرچہ عورت پر فرض ہرگز نہیں ہیں لیکن ان کی گنجائش کہیں نہ کہیں نکل ہی آتی ہے بشرطیکہ خود عورت ان برائیوں سے بیزار رہے اور بچوں کی دینی تربیت اور

والدین اور بزرگوں کی اطاعت کا خوگر بنانے کی کوشش کرے۔ اس طرح عورتیں تو آخرت کمانے میں آگے بڑھ جائیں گی لیکن مردان غیر معروف اطاعتوں اور خودساختہ فرائض پر جبراً بیویوں سے عمل کرا کے آخرت کی بازی شاید ہار جائیں۔ یہ میں اس لیے کہنے کی جسارت کر رہی ہوں کہ آج ہمارے معاشرے میں یہی کچھ ہو رہا ہے اور ہم لوگ کہتے ہیں کہ مرد تو یہ سب کرتے ہی ہیں لیکن عورت کو ٹھیک ہونا چاہیے۔ کیا ہم مسلمان اللہ سے کوئی ایسا سرٹیفکیٹ لے کر آئے ہیں کہ شوہروں کا تو کام ہی یہ ہے اور ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی! ایک ماں کا فرض ہے کہ اپنے بیٹوں کو معروف اور غیر معروف کا فرق سمجھائے۔

غیر موجودگی میں (شوہروں کی) حفاظت کرنا

سورۃ النساء' آیت ۳۴ میں ایک خاتون خانہ کی بہترین روش کو تین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ﴾ یعنی (۱) نیک ہو' (۲) فرماں بردار ہو' اور (۳) شوہروں کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والی ہو — یہاں حفاظت سے مراد ایک تو اپنی عفت وعزت کی حفاظت ہے اور دوسرے شوہر کے مال' گھر اور گھر والوں کی حفاظت۔ اس بات کو حدیث مبارکہ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے: ((وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ هِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ)) (متفق علیہ) ''اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

اپنی عزت کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ (۱) عورت پر فرض ہے کہ کسی ایسے مرد کو اپنے گھر میں نہ آنے دے جسے اس کا شوہر ناپسند کرتا ہو خواہ وہ مرد یا عورت کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) مرد کی غیر موجودگی میں عورت نامحرموں کو دیکھنے' ان سے بات کرنے اور بلاوجہ لجا لجا کر گفتگو کرنے سے سختی سے پرہیز کرے اور اپنی دلچسپیوں کا مرکز ومحور اپنے شوہر کی ذات تک محدود رکھے۔ (۳) غیر مردوں کی تعریف کرنے سے پرہیز کرے۔ شوہر کی غیر موجودگی میں بازاروں یا محلے میں ادھر ادھر پھرنا' ایسا لباس زیب تن کرنا جس میں عریانی یا دعوتِ نظارہ کی جھلک ہو' اپنی زبان سے کسی غیر محرم سے' خواہ دکاندار ہی ہو' ایسی میٹھی باتیں کرنا کہ مرد کی نیت خراب ہو سکتی ہو' یہ سب کام اسی زمرے میں آتے ہیں۔

شوہر کے مال کی حفاظت کرنے سے مراد یہ ہے کہ (۱) شوہر کی غیر موجودگی میں یا چوری چھپے پیسے نکالنے کی عادت ہرگز نہ ڈالے (اس حرکت سے خود ان کے اپنے بچے بھی چوری کی

عادت اپنا سکتے ہیں)۔ اسی طرح شوہر کے مال کو بے جا استعمال نہ کرے۔ (۲) مال کی حفاظت میں یہ بھی آتا ہے کہ فضول خرچیوں میں بازاروں میں پیسے اڑا کر اور کم دام میں خرید کر شوہر کو زیادہ دام بتا کر زیادہ پیسے وصول نہ کرے اور پھر وہ زائد پیسے اپنی خواہشات اور زبان کے چٹخاروں میں استعمال نہ کرے۔ مرد پر نان نفقہ تو بیوی کا فرض ہے لیکن بیوی طرح طرح کی فرمائشیں کر کے مرد سے پیسے نکلوانا اپنا فرض نہ سمجھے اور نہ جھوٹ کا سہارا لے' کیونکہ اس کے بچے وہی کچھ کریں گے جو ماں کو کرتا دیکھیں گے۔

شوہر کے گھر کی حفاظت سے اس (شوہر) کا ساز وسامان' اس کے بچے اور اس کے اہلِ خانہ مراد ہیں۔ گھر کی کوئی چیز بھی شوہر کی اجازت یا مرضی کے بغیر کسی بھی مانگنے والے کو نہ دے۔ یہ اس عورت پر فرض ہے' جبکہ وہ اپنا فرض یہ سمجھتی ہے کہ اس سے چوری چھپے صدقہ خیرات بھی کرے اور گھر کی اشیاء خوردونوش بھی دوسرے لوگوں کو دے۔ عورت کو اس بات میں ثواب نہیں ملتا' البتہ جو عورت کی ذاتی چیزیں یا ذاتی جیب خرچ ہے وہ اس میں سے دے سکتی ہے۔ برسبیل تذکرہ اس مقام پر یہ بھی عرض کر دوں کہ مرد یعنی شوہر بھی بلاوجہ زیادتی کرتے ہیں کہ عورت کی ذاتی چیزوں کے بارے میں بھی اپنا حکم نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ شوہر اس ضمن میں عورتوں کو سمجھا سکتے ہیں لیکن عورت کی ملکیتی چیزوں کے بارے میں جبراً حکم نافذ کرنے کا ان کو قانوناً اختیار نہیں ہے۔ مثلاً مرد بیوی سے یہ تو کہتا ہے کہ تم اپنی زکوٰۃ خود ادا کرو چاہے تمہیں اپنی کوئی (سونے کی) چیز بیچنی کیوں نہ پڑ جائے۔ لیکن عورت اگر اپنی مرضی سے اپنے زیور کو کہیں استعمال کرنا چاہے تو مرد اس پر پورا حق جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ شوہر کا اپنی قوامیت کو بالکل غلط استعمال کرنا ہے جس پر اس سے باز پرس ہوگی (اگرچہ بیوی کو چاہیے کہ غیر معروف اطاعتوں میں شمار کرتے ہوئے اس پر بھی جبراً اطاعت کرے)۔

اولاد کی تربیت بیوی کی ذمہ داری ہے

اولاد اللہ کی امانت ہے۔ بیوی کو چاہیے کہ اولاد کی تربیت میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی نہ آنے دے اور اس کو اللہ کے حکموں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔ ان کو والدین کا فرمانبردار بنائے' اُخروی کامیابی کے لیے خلوص سے کوشش کرتی رہے۔

اسی طرح شوہر کے گھر میں شوہر کے والدین اور دوسرے اہل خانہ بھی ہو سکتے ہیں' ان کی عزت اور جہاں تک ہو سکے خدمت کر کے عورت جنت کما سکتی ہے۔ ایک انسان کے دوسرے

انسان پر جو حقوق ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بیمار کی عیادت کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ شوہر کے والدین یا کوئی اور فرد بیمار ہو اور بیوی صاحبہ کسی فنکشن یا درس و تدریس میں مصروف ہو (اگرچہ اس مقام پر ایک بیوی کے اوپر بہت سے خود ساختہ فرائض تھوپ دیے جاتے ہیں جو سراسر ظلم ہے)۔ یہ درحقیقت خودغرضی اور من جانب اللہ فرض میں کوتاہی کے زمرے میں آ سکتا ہے جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

مثالی خاتون کیسے بنا جائے

پُرامن گھرانے میں ایک عورت کا کردار مرکزی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ ایک مثالی گھر بنانے کے لیے اپنے گھر میں سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل پیرا ہو۔ اپنے حکم اور اپنی خواہشات کو اللہ کے حکم کے تابع کرے اور اس کو اپنا فرض سمجھے۔ اس کے بعد اپنے شوہر کے حکم کو اہمیت دے اور بچوں کو بھی باپ کا ادب و احترام اور حکم ماننا سکھائے۔ بچوں کو والدین کے فرائض سے لازماً آگاہ کرتی رہے کہ اولاد خصوصاً بیٹوں پر والدین کے ضمن میں کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ان کی ذمہ داریاں یا فرائض صرف انہی کو ادا کرنا سکھائے۔ اس کے بعد گھر کے بقیہ رشتہ داروں کا بلحاظ مرتبہ معروف میں کہنا ماننے اور خدمت کرنے پر بچوں کو راغب کرے۔ اس ضمن میں دعاؤں اور عنداللہ اجر عظیم کا لالچ اور امید بھی دلاتی رہے۔

بیوی گھر میں صرف بیوی کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ وہ گھر کی نگران بھی ہے، شوہر کے بچوں کی ماں بھی، شوہر کے مال کی امین بھی، شوہر کے رازوں اور عزت کی محافظ بھی اور سب سے بڑھ کر بیوی ہونے کے ناطے شوہر کی عزت و ناموس بھی۔ اسی لیے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے عورت کے لیے خانہ داری اور مندرجہ بالا ذمہ داریاں ایمانداری اور دیانت داری سے ادا کرنے کو اجر و ثواب میں مردوں کے جہاد کے برابر قرار دیا ہے۔ کیا ہم خواتین کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری کی بات نہیں ہے کہ گھر کے کام کاج (جو لامحالہ عورت کو ہی کرنا ہیں) میں اللہ کی رضا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے بہترین بشارتیں مل جائیں اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا ھٰذَا۔ قرونِ اولیٰ میں تو ہمارے پاس بہترین مثالیں موجود ہیں۔ اپنے شوہر کی بہترین رفیقۂ حیات جو جنت کی عورتوں کی سردار بنا دی گئی، ان کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا بطور بیوی کے

کردار ایک روشن تابناک ستارے کی طرح تا قیامِ قیامت ہمارے سامنے چمکتا رہے گا۔

دوسری مثال انتہائی مالدار اور مکہ کے معزز خاندان کی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ بڑی عمر کی لیکن قابل رشک خاتون اور جنت کی عورتوں کی سردار عورتوں میں ان کا شمار ہوگا، جن کو نبی اکرم ﷺ بھی بہت زیادہ چاہتے تھے۔

تیسری مثال ایک نوجوان بن بیاہی لڑکی اور اس لحاظ سے بالکل منفرد اور واحد کہ قرآن مجید میں کسی اور خاتون یا کنواری لڑکی کا نام نہیں آیا سوائے ان کے۔ میری مراد حضرت مریم سلام علیہا سے ہے جن کی پاکدامنی، فرمانبرداری کی گواہی ذات باری تعالیٰ خود دے رہے ہیں۔ یہ بھی جنت کی سردار خواتین میں سے ہیں۔ مسلمان لڑکیاں جو دنیا کی تعلیم، پوزیشنز اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی دوڑ میں سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی ہیں وہ جتنی بھی ڈگریاں حاصل کرلیں، پروفیسر اور ڈاکٹر کیوں نہ بن جائیں جب تک وہ مندرجہ بالا عظیم خواتین کے اسوہ پر عمل نہیں کریں گی نہ اچھی بیٹی بن سکتی ہیں، نہ اچھی بیوی اور نہ ہی اچھی ماں۔

قرآن پاک میں ایک اور بہت روشن خیال خاتون کی مثال تا قیامِ قیامت ان مسلمانوں کی نظروں سے گزرتی رہے گی جو مادہ پرستی کا شکار ہیں اور جو مغربی تقلید میں بہت حقیر سی چیز (از روئے قرآن بھی اور از روئے سائنس بھی) ''دنیا پرستی'' کے حصول اور کامیابی کے لیے اپنا تن من دھن لگائے ہوئے ہیں — قرآن مجید نے اس دنیا کی مثال ایک مچھر کے پَر سے بھی زیادہ حقیر کی دی ہے اور نبی پاک ﷺ نے اس دنیا کی مثال مردار کی دی ہے۔ اور آج ہماری سائنس (جو مادہ پرستوں کا قرآن ہے) بھی یہ بیان کر رہی ہے کہ اس کائنات میں زمین کی حیثیت ریت کے ایک ذرے کے برابر بھی نہیں ہے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ نوے فیصد مسلمان مادہ پرست صرف اور صرف اس دنیا کے پجاری ہیں — ایسے مادہ پرستوں کے سامنے فرعون کی بیوی آسیہؓ کی مثال ایک طمانچے سے کم نہیں جو دعا کرتی ہیں کہ ''اے میرے رب! میرے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دے''۔ ذرا نوٹ کریں کہ دنیا کی ہر دولت ہر آسائش ان کے گھر کی لونڈی تھی، لیکن وہ اصل روشن خیال خاتون تھیں جنہوں نے اس فانی دنیا بلکہ مردار اور ذلیل دنیا کی طلب کی بجائے ہمیشگی کی آسائش اور عیش کو پسند کیا تھا۔ یہ مثال مسلمان مرد اور عورت دونوں کے لیے باعثِ رشک اور قابلِ تقلید ہے۔ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَا فَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔ لہٰذا ہم مسلمان

خواتین کا یہ فرض عین ہے کہ طالبِ دنیا بننے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض پر عمل کر کے طالبِ آخرت بنیں۔ یہی دنیا کو اندھیروں سے نکالنے کا ذریعہ ہے اور اصل روشن خیالی بھی۔

خواتین کے لیے لمحہ فکریہ

اس قسم کی روشن مثالوں سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان روشن ستاروں نے اپنی آخرت روشن کی اور (دُنیوی اور اُخروی) کامیابی سے ہمکنار ہوئیں' جبکہ آج ہم مسلمان عورتیں خصوصاً بیویاں صرف ایک بات کہ معروف میں شوہر کی اطاعت فرض ہے' پر بھی پورا نہیں اتر سکتیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' عبادات' تہجد' وظائف وغیرہ اپنی جگہ بہترین عبادات ہیں' لیکن حقوق العباد میں شوہروں کے حقوق تلف کر کے ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے کٹہرے میں ہمارا گریبان پکڑا ہوا نظر آئے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے دنیا میں ہی عورتوں سے فرمایا تھا کہ میں نے تم عورتوں کی کثرت کو جہنم میں دیکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اللہ کی نافرمان تھیں (اگرچہ حقوق العباد بھی اللہ ہی کا حکم ہیں) بلکہ فرمایا کہ تم اپنے شوہروں کی ناشکری بہت زیادہ کرتی ہو۔ لہٰذا شوہر کی رفاقت میں سہانے خواب دیکھنے کی بجائے آخرت کے خوفناک محاسبے کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھتے ہوئے آنکھیں کھول کر ہوش کے ساتھ زندگی کے لمحات گزاریں۔ یہ زندگی ایک ہی دفعہ ملتی ہے' بار بار نہیں۔ بہت قیمتی زندگی ہے' اس کو ضائع نہ کریں۔

مرد و عورت ایک دوسرے کا لباس اور ایک دوسرے کی ضرورت ہیں' لیکن عورت کی تخلیق میں چونکہ ذات باری تعالیٰ نے جذبات اور نسیان کا مادہ زیادہ رکھ دیا ہے (اور یہ بات وہی ذات جان سکتی ہے جس نے پیدا کیا ہے) لہٰذا وہ بہت حساس اور شوہر کے معاملے میں تو خاص طور پر بیوقوفی کی حد تک جذباتی ہوتی ہے کہ یا تو اسے (نعوذ باللہ) خدا کا درجہ دے دیتی ہے یا پھر جوتی کی نوک پر رکھتی ہے۔ دونوں حالتیں خطرناک حد سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اس ضمن میں لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے والدین خصوصاً والدہ بھی بہت زیادہ قصوروار ہوتی ہے کہ بچی کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی حقیقی محبت اور حقیقی خوف کی بجائے شوہر کی محبت اور خوف کو اپنا سب کچھ سمجھا کر بھیجتی ہے' جبکہ اس معاملے میں ایک واضح اور اعتدال پر مبنی سوچ بہت ضروری ہے۔

بیوی اپنے شوہر کے بے جا ناز نخرے یہ سوچ کر نہ اٹھائے کہ شوہر اس کا رازق ہے' بایں

طور کہ اگر وہ کسی بات پر ناراض ہو گیا تو ہمارا کیا بنے گا؟ اگر وہ روٹی پانی بند کر دے گا تو ہم کہاں سے کھائیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان ناز نخروں میں بیوی اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ شوہر کو خدا کا درجہ دے کر پوجنے کی حد تک محبت کرتی ہے اور یہ عقیدہ بنا لیتی ہے کہ میرا شوہر ہی ہے جو میرے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ یہ تو بہت بڑا شرک ہے' کیونکہ رازق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول سورۃ العنکبوت میں مذکور ہے: ﴿فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ﴾ کہ تم اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔ یہ توحید ہے اور دلوں میں توحید کے علاوہ کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ان ظاہری رشتوں سے محبتوں کا مقصد بھی اللہ کی رضا حاصل کرنا ہی ہونا چاہیے۔ عورت چونکہ سمجھتی ہے کہ مجھے رزق اس بندے کی وجہ سے ہی ملے گا لہٰذا سب سے پہلے اپنی ذات پر شوہر کا مال جائز اور ناجائز طریقے سے استعمال کرتی ہے۔ پھر اپنے بچوں کی جائز اور ناجائز فرمائشوں کو پورا کرنے کے لیے شوہر کا مال استعمال کرتی ہے جس میں اکثر جھوٹ اور مبالغے کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے۔ الغرض عورت ساری زندگی اس پیسے کی خاطر حرص و ہوس میں اور آخرت ''شرک'' کے جرم میں برباد کر لیتی ہے۔ جب عورت مرد کو اپنا سب کچھ سمجھ لیتی ہے تو چاہتی ہے کہ اب مرد بھی صرف اور صرف میرا بن کر رہے۔ نہ اپنے بہن بھائیوں کی طرف دیکھے' نہ ان پر کچھ خرچ کرے اور نہ والدین کی طرف توجہ کرے اور نہ ان کی خدمت کرے۔ بیوی شوہر کی ناز برداریاں اٹھا کر یہ جتانے کی مسلسل کوشش کرتی ہے کہ میں تو سب کچھ آپ کی خاطر ہی کر رہی ہوں اور میرا سب کچھ تو بس آپ ہی ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو شوہر کو اس کے والدین اور بہن بھائیوں سے دور کرنا یہ سب کچھ قطع رحمی کے زمرے میں آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا بھی یہ قاعدہ ہے کہ انسان اللہ کی بجائے جس طرف رخ کرتا ہے' جس طرف امیدیں باندھتا اور توقعات رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسی انسان کے ذریعے اس کو سزا دیتا ہے اور پٹواتا ہے۔ جب شوہر بیوی کے سوچے ہوئے ڈیزائن کے مطابق نہیں ڈھلتا اور دونوں ہی کسی سرد گرمی کا شکار ہو جاتے ہیں تو بیوی کہتی ہے کہ ''کاش میں نے اللہ سے اتنا پیار کیا ہوتا' اللہ سے اتنی لو لگائی ہوتی تو پتا نہیں آج کہاں پہنچ جاتی اور اللہ کتنی قدر کرتا! اس بندے نے تو میری کوئی قدر نہ کی''۔ یا یہ کہ ''یہ میں ہی تھی جو اس کے گھر میں گزارا کر گئی' کوئی اور ہوتی تو اس بندے کو پتا لگ جاتا'' وغیرہ وغیرہ۔

کاش کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ دنیا کی رسوائی عارضی ہے‘ جبکہ ان کی ایسی نیتوں کی وجہ سے آخرت میں تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ ان بے جا محبتوں کی بجائے اگر خلوص سے صرف فرائض ہی ادا کیے ہوتے اور وہ بھی اللہ کا حکم مان کر تو لازماً اللہ دنیا اور آخرت میں سرخرو کرتا۔ لیکن نیت بھری مراد کے مطابق اپنا اعمال نامہ دیکھ کر نظر آئے گا کہ ہر جگہ فی سبیل اللہ اطاعت کی بجائے ’’فی سبیل البعل‘‘ اطاعت لکھی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ گناہ کمائے تو شوہر کی خاطر‘ اچھا کام کیا تو شوہر کی خاطر‘ کچھ بھی تو اللہ کی اطاعت سمجھتے ہوئے نہیں کیا۔ اس حدیث کو سامنے رکھیں: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوگا۔ پوری حدیث کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہماری ہجرت اور جہاد خالصتاً مردوں کے لیے اور اپنی نفس کی خاطر تھا۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شوہروں کی خدمت‘ ان سے محبت‘ ان کی نافرمانی کا خوف‘ بچوں کی تربیت‘ اپنی عزت و عظمت کا خیال‘ شوہروں کے مال کی حفاظت‘ الغرض کچھ بھی معاملہ ہو ہر حال میں اللہ کی رضا‘ اس کی خوشنودی‘ اس کی سزا کا خوف مقدم رہے گا تو ہی فی سبیل اللہ بنتا ہے اور ہجرت و جہاد جیسے عظیم مرتبے گھر بیٹھے مل سکتے ہیں۔ ورنہ عورت اپنی ادا‘ اپنے فریب اور اپنے نازنخروں سے مرد کو بیوقوف بنا کر دنیا میں تو بظاہر کامیاب ہو سکتی ہے لیکن اللہ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں۔ یہ فرائض ہمیں اللہ نے دے کر بھیجا ہے‘ ان کی صحیح ادائیگی میں ہی کامیابی ہے اور یہی بندگی رب ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے   اشاعت عام: 25 روپے

سیرتِ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دلپذیر موضوع پر

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فکر کا نچوڑ

سیرتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیرت طیبہ پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

جو قبل ازیں قسط وار ہفت روزہ ندائے خلافت کے صفحات کی زینت بن چکا ہے

اب کتابی صورت میں چھپ کر آ گیا ہے

عمدہ طباعت ۔ دیدہ زیب ٹائٹل

صفحات: 240 ۔ قیمت: 180 روپے

خود مطالعہ کیجیے
دوستوں کو تحفتاً پیش کیجیے

ملنے کا پتہ

مکتبہ خُدّامُ القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-(042)35869501
فیکس: (042)35834000 ای میل: maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

بقیہ: عرضِ احوال

سانحہ راولپنڈی اس لحاظ سے ایک منفرد واقعہ ہے کہ عزاداروں میں سے فسادی گروہ دن دھاڑے سکیورٹی اہلکاروں کی موجودگی میں مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور پولیس سے رائفلیں چھین کر نمازیوں اور طالب علموں پر اندھا دھند فائرنگ کرتا ہے اور ان کی ایک اچھی خاصی تعداد کو شہید اور زخمی کر دیتا ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ فسادی گروہ اپنے ساتھ لائے ہوئے پٹرول کے گیلن چھڑک کر مسجد اور اس کے نیچے واقع پوری مارکیٹ کو نذرِ آتش کر دیتا ہے۔ اور پولیس ان کے ہاتھ روکنے کی بجائے راہِ فرار اختیار کرتی ہے' جس کے نتیجہ میں فسادات ہوتے ہیں اور ملک کے کئی شہروں میں کرفیو کے نفاذ کی نوبت آتی ہے۔ اس خیال سے کہ اس سارے قصے کی تفصیلات تحریر کرنے سے اشتعال پھیل سکتا ہے' ہم مزید کچھ نہیں لکھنا چاہیں گے' لیکن اہل سنت کے علماء کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا شدید زیادتی ہو گی جنہوں نے خود بھی زبردست صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور احتجاج کو بھی پرامن رکھنے کی کامیاب اپیل کی۔ ہمارے حکمرانوں کو اس حقیقت کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے کہ امن و امان صرف سکیورٹی انتظامات کو سخت سے سخت تر کرنے سے' راستے مسدود کرنے سے' گھروں کے دروازے اور روشن دان بند کر دینے سے حاصل نہیں ہوتا۔ امن و امان کے قیام کے لیے انصاف اور غیر جانبداری کو اپنانا لازم ہے۔ پھر یہ کہ مسئلے کی جڑ کو سمجھنے اور فساد کی وجوہ کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری رائے میں حکومت کو فوری طور پر درج ذیل اقدام کرنے چاہئیں:

(۱) مسلکی عبادات کو عبادت خانوں تک محدود کیا جائے۔ اگر حکومت ایسا قدم اٹھانے کی جرأت نہیں رکھتی تو پھر ان جلوسوں کے روٹس کا تعین متعلقہ فریق پر چھوڑنے کی بجائے خود حکومت یا مقامی انتظامیہ سکیورٹی انتظامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود کرے اور اس معاملہ میں کسی صورت سمجھوتہ نہ کرے۔

(۲) صحابہ کرام اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے خلاف لٹریچر کو ضبط کیا جائے اور جس سے ایسا مواد برآمد ہو اسے سخت ترین سزا دی جائے۔

(۳) بزرگانِ دین سب قابلِ احترام ہیں' کسی کی تعریف و توصیف یا مداح سرائی جرم نہ ہو' البتہ ان ہستیوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن اور دشنام طرازی نہیں کی جا سکتی۔ کسی کو برا بھلا نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) ایران اور سعودی عرب دونوں ہمارے برادر ممالک ہیں' لیکن دونوں ممالک کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی اجازت اور اپنے ہم مسلک طبقات کی مالی امداد کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام مسائل بشمول باہمی تنازعات صرف اس طرح حل ہو سکتے ہیں اگر ہم تمام معاملات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں اور ہر تنازعہ کے حل کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع کریں۔ لیکن ہم علانیہ طور پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ عملی طور پر تب ہی ممکن ہے اگر پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بن جائے۔ ایسے تنازعات اور جھگڑے پاکستان میں اس صورت میں کبھی ختم نہیں ہو سکتے کہ پاکستان آئینی طور پر کہلائے تو اسلامی ریاست لیکن حقیقت میں یہ محض مسلمانوں کا ملک ہو' جو نہ مکمل طور پر سیکولر ہو اور نہ کسی طور بھی اسلامی ریاست کہلانے کا حق رکھتا ہو۔ ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آدھے تیتر آدھے بٹیر والا معاملہ نہیں چلے گا۔ فی الوقت ہمارا معاملہ یہ ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا۔

اسلامی ریاست کے حوالہ سے ہمیں اہل تشیع پر یہ بات واضح کر دینی چاہیے کہ جس طرح ایران میں اکثریتی فرقہ کی فقہ رائج ہے' پاکستان میں بھی ریاست کا بنیادی ڈھانچہ قرآن و سنت کے مطابق تعمیر ہو گا۔ law of the land میں قرآن و سنت کی وہ توضیح تسلیم کی جائے گی جو اکثریتی فقہ میں پیش کی گئی ہو' البتہ ہر مسلک کے نجی معاملات اس مسلک کے پیروکار اپنی فقہ کے مطابق ادا کر سکتے ہیں۔ نماز' روزہ' حج حتیٰ کہ زکوٰۃ کا معاملہ بھی متعلقہ فقہ کی تشریح کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ہر معاملے میں ایڈہاک ازم کی طرف چل رہے ہیں یعنی آج کا دن خیر سے گزر جائے' کل کی دیکھی جائے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے کل کی فکر نہ کی تو بالآخر آج بھی خیریت سے نہیں گزرے گا۔ معاملات کو چھپا کر اور انہیں under carpet کر دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے' بلکہ ایک وقت آنے پر مرض لاعلاج ہو جایا کرتا ہے۔ لہٰذا وہ علاج کیا جائے جو مرض کو جڑ سے ختم کر دے۔ ہماری دانست میں اسلامی نظام کے قیام کے سوا ہمارے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیں۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 270 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

maktaba@tanzeem.org

کھانسی | نزلہ | زکام

صُدوری اور سُعالین فوری آرام!

ہمدرد